جون۲۰۲۶ء

پاک جمہوریت

وزارتِ اطلاعات ونشریات کا جریدہ

جلد :66 شمارہ :06

HIV TREATMENT & SUPPORT CENTRE
HIV/AIDS
تشخیص علاج و آگاہی مرکز
People Medical University Hospital Nawabshah SBA
DIRECTORATE OF CDC HIV/AIDS SINDH
KNOW YOUR STATUS
HIV/AIDS SCREENING
CD4 COUNT TESTING
COUNSELING
ART TREATMENT
SOCIAL SUPPORT
CDC HIV/AIDS
HIV AIDS
Confirmatory
CPX 025
HIV - Test
IMNCI & PSBI DESK
IMNCI Programme

جون ۲۰۲۶ء

پاک جمہوریت

وزارتِ اطلاعات و نشریات کا جریدہ

جلد:66 شمارہ:06

اداریہ		۵
۱۔ پاکستان کا بجٹ 2026-27 محدود معاشی حالات میں توقعات اور حقیقت	عتیق انور راجہ	۶
۲۔ پاکستان، بہترین سفارتکار فریقین جنگ بندی کے لیے تیار	محمد زکریا	۱۱
۳۔ پاکستانی بحری حکمت عملی اور آپریشن محافظ البحر	ناصر نقوی	۱۹
۴۔ پاکستان اور افغانستان تنازعات اور کشیدگی	رباب زہرا	۲۴
۵۔ پاکستان میں صحت کا بحران اور ایڈز کا پھیلاؤ	امتیاز تارڑ	۳۰
۶۔ سولر ٹیکس، مہنگی بجلی اور تیل کی درآمدی بحران	ڈاکٹر محمد گلزار	۳۷
۷۔ پاکستان کے تعلیمی نظام کا سرسری جائزہ	کنول افتخار	۴۳

نگران اعلیٰ: ثمینہ فرزین
نگران: محمد سلیم
مینجنگ ایڈیٹر: شبیہہ عباس
ایڈیٹر: مائرہ جاوید
ڈیزائنر: محمد وسیم

ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز، 291۔اے، ایم اے جوہر ٹاؤن لاہور
انتظامیہ: 042-99333909
مدیر: 042-99333912
email:editor@pakjamhuriat.org

انتباہ

ادارے اور میگزین ’’پاک جمہوریت‘‘ کا مقصد عوام الناس کو آگاہ کرنا اور بہترین مواد مہیّا کرنا ہے۔ البتہ شمارے میں شامل تمام مضامین مصنفین کی ذاتی آراء پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا ادارے یا ادارے کے کسی فرد پر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اداریہ

پاکستان اس وقت کئی محاذوں پر مختلف چیلنجز کا سامنا کر رہا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر پاکستان نے اپنے بحری جہازوں کے تحفظ کے لیے آپریشن ''محافظ البحر'' شروع کیا ہے۔ پاک بحریہ خطے میں امریکہ اور ایران کے درمیان کشیدگی کے دوران پاکستان کو تیل اور ایل این جی کی مسلسل فراہمی یقینی بنا رہی ہے۔ پاکستان دونوں ممالک کے درمیان ثالثی اور کشیدگی کم کرنے کی کوششیں بھی کر رہا ہے، تاہم حالیہ دنوں میں صورتحال تعطل کا شکار دکھائی دیتی ہے۔ افغانستان کے ساتھ کشیدگی برقرار ہے جبکہ فتنۃ الخوارج کے خطرے سے بھی روزانہ نمٹا جا رہا ہے۔

داخلی محاذ پر مہنگائی اور بڑھتے ہوئے اخراجاتِ زندگی عوام کے لیے بڑا چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ حکومت مہنگائی پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے، مگر صورتحال بدستور مشکل ہے۔ مہنگی بجلی سے بچنے کے لیے عوام نے سولر توانائی کا رخ کیا، تاہم حکومت کی جانب سے اس پر ٹیکس عائد کرنے کی تجویز عوامی ردِعمل کے بعد واپس لینا پڑی۔

حال ہی میں ملک میں ایڈز کے پھیلاؤ کے واقعات نے خصوصاً سب سے بڑے صوبے کے صحت کے نظام پر سوالات اٹھائے، جہاں صحت کے لیے سب سے زیادہ بجٹ مختص ہے۔ تحقیقات میں بعض طبی عملے کی غفلت اور غیر ذمہ دارانہ رویوں کو اس کی ایک بڑی وجہ قرار دیا گیا۔ دوسری جانب تعلیمی اداروں میں تعمیر و مرمت کے منصوبوں کے بعد یہ بحث بھی سامنے آئی کہ کیا صرف بہتر انفراسٹرکچر معیاری تعلیم کی ضمانت دے سکتا ہے؟

آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ پاکستان تمام چیلنجز پر قابو پا کر ہر آزمائش سے کامیابی اور استحکام کے ساتھ نکلے۔

شکریہ

ایڈیٹر پاک جمہوریت

پاکستان کا بجٹ 2026-27

محدود معاشی حالات میں توقعات اور حقیقت

عتیق انور راجہ
(نوائے وقت میں صحافی اور کالم نگار ہیں)

پاکستان کی معاشی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں سالانہ بجٹ محض ایک روایتی مالیاتی دستاویز نہیں ہوتا، بلکہ یہ امیدوں، دعووں، اور زمینی حقائق کے مابین ایک ایسی اعصاب شکن کشمکش کا نام ہے جس کا براہِ راست اثر عام آدمی کے چولہے پر پڑتا ہے۔ سال2026 کا وفاقی بجٹ بھی ایک ایسے موڑ پر آ پہنچا ہے جہاں معیشت کو "استحکام" کے مصنوعی سہارے سے نکال کر "پائیدار ترقی" کی پٹڑی پر ڈالنے کا بظاہر آخری موقع سمجھا جا رہا ہے۔ عالمی مالیاتی ادارے (آئی ایم ایف) کے توسیعی فنڈ پروگرام (ای ایف ایف) کے سائے تلے تیار ہونے والا یہ بجٹ ایک طرف معاشی جکڑ بندیوں کی سچی تصویر پیش کرتا ہے اور دوسری طرف عوام کی ان بے لچک توقعات کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے جو طویل عرصے سے مہنگائی کے تازیانے بجا رہے ہیں۔ اس بار بجٹ کی حقیقت اور توقعات کا سفر محض اعداد و شمار کا گورکھ دھندا نہیں، بلکہ معاشی بقا کی ایک کٹھن داستان ہے۔

اگر توقعات کے افق پر نگاہ ڈالی جائے تو ایک عام پاکستانی، خواہ وہ تنخواہ دار ملازم ہو، دیہاڑی دار مزدور ہو یا سفید پوش تاجر، اس کی خواہشات ہمیشہ سے سادہ اور بنیادی رہی ہیں۔ ایک طویل اور صبر آزما معاشی جمود کے بعد، جس میں افراطِ زر نے خون نچوڑا اور یوٹیلیٹی بلز نے کمر توڑ دی، اس بار پبلک سیکٹر میں یہ توقع کی جا رہی تھی کہ شاید حکومت ٹیکسوں کے بوجھ میں کچھ نرمی کرے گی۔ تنخواہ دار طبقہ، جو دستاویزی

معیشت کا سب سے آسان ہدف بنتا رہا ہے، ریلیف کا منتظر ہے۔ اس کے ساتھ ہی، توانائی کے شعبے میں سرکلر ڈیٹ (گردشی قرضوں) کے عفریت کو قابو کر کے بجلی اور گیس کی قیمتوں میں کمی کی امیدیں بھی وابستہ کی گئیں۔ زراعت، جو ملکی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، کے لیے ایسے مراعاتی پیکجز کی توقع تھی جو کسان کو سستی کھاد، بیج اور جدید ٹیکنالوجی فراہم کر سکیں، تا کہ 10 ارب ڈالر کی زرعی اور غذائی مصنوعات کی درآمد کا شرمناک بوجھ کم کیا جا سکے۔ صنعت کاروں اور کاروباری طبقے کی توقعات ایک ایسے کاروباری ماحول کے گرد گھومتی ہیں جہاں پالیسیوں میں تسلسل ہو اور ٹیکس نیٹ کا دائرہ کار بڑھا کر پہلے سے موجود ٹیکس دہندگان کا گلا گھونٹنے کے بجائے نئے شعبوں کو دستاویزی دائرے میں لایا جائے۔

مگر جب ہم توقعات کے اس دلفریب محل سے نکل کر حقیقت کے سنگلاخ میدان میں قدم رکھتے ہیں، تو بجٹ کی شکل یکسر بدل جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بجٹ آئی ایم ایف کے طے کردہ سخت ترین اہداف کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ مالیاتی خسارے کو جی ڈی پی کے 3.2 فیصد تک محدود رکھنے کا ہدف ہو یا پرائمری سرپلس برقرار رکھنے کی شرط، حکومت کے ہاتھ پوری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ سال 2026 کے آغاز سے اب تک وفاقی قرضوں کا حجم تقریباً 80 ٹریلین (اسی ہزار ارب) روپے کی ہولناک سطح کو چھو رہا ہے، جس میں بیرونی قرضوں کا حصہ 23

ٹریلین روپے سے تجاوز کر چکا ہے۔ایسے میں بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ تو صرف پرانے قرضوں کی سود اتاری (Debt Servicing) کی نذر ہو جاتا ہے۔ دفاعی بجٹ، جو خطے کی جیو پولیٹیکل صورتحال اور سیکیورٹی چیلنجز کے باعث ناگزیر ہے، ملکی وسائل پر مزید دباؤ ڈالتا ہے۔اب پیچھے جو کچھ بچتا ہے، اس میں سے ایک عام آدمی کے لیے ریلیف تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے صحرا میں سراب کا پیچھا کرنا۔

اس بجٹ کی سب سے بڑی تلخ حقیقت ٹیکسیشن کے نئے اور بھاری اہداف ہیں۔عالمی مالیاتی ادارے کی جانب سے ٹیکس وصولیوں کا ہدف ساڑھے 15 ٹریلین روپے سے زائد رکھنے کا دباؤ ہے، جو کہ ٹیکس ٹو جی ڈی پی ریشو کو 11 فیصد سے اوپر لے جانے کا تقاضا کرتا ہے۔اس ہدف کو پورا کرنے کے لیے حکومت کے پاس سبسڈیز کا خاتمہ کرنے اور پیٹرولیم مصنوعات، بجلی اور گیس پر لیوی و ٹیکسز بڑھانے کے سوا کوئی چارہ دکھائی نہیں دیتا۔افراطِ زر، جو پچھلے مہینوں میں کچھ سست پڑا تھا، پٹرولیم اور توانائی کی قیمتوں میں ان ممکنہ اصلاحات کے نتیجے میں دوبارہ 7 سے 8 فیصد کی طرف مائلِ پرواز ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ افراطِ زر کا جن ابھی پوری طرح بوتل میں بند نہیں ہوا، اور اس کی تپش عام آدمی کو جھلساتی رہے گی۔گیس کے شعبے میں ساڑھے 3 ٹریلین روپے سے زائد کا گردشی قرضہ اس بات کی گواہی ہے کہ یہاں سٹرکچرل ریفارمز کے بغیر بجٹ محض ایک عارضی بندوبست بن کر رہ گیا ہے۔

ملکی معیشت کے اس نازک موڑ پر سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ ہم استحکام کے دور سے نکل کر پائیدار ترقی کے سفر کا آغاز کیسے کریں۔ اسٹیٹ بینک کے غیر ملکی زرِمبادلہ کے ذخائر کا 15 ارب ڈالر سے اوپر جانا اور 18 ارب ڈالر کی طرف پیش قدمی یقیناً ایک مثبت اشاریہ ہے، مگر یہ استحکام قرضوں کی بنیاد پر کھڑا ہے۔ اسے مستقل معاشی بحالی میں تبدیل کرنے کے لیے بجٹ میں انقلابی سٹرکچرل تبدیلیاں درکار ہیں۔ وفاقی اور صوبائی وزارتوں کے درمیان کوآرڈینیشن کا فقدان ایک بڑا روگ بن چکا ہے۔ این ایف سی ایوارڈ کے بعد صوبوں کے پاس فنڈز تو چلے جاتے ہیں، لیکن پیداواری منصوبوں میں ان کا درست استعمال نہیں ہوتا۔ جب تک ترقیاتی بجٹ (PSDP) اور صوبائی ترقیاتی پروگراموں کو محض سیاسی اثر و رسوخ کے منصوبوں کے بجائے زرعی پیداواری صلاحیت بڑھانے، پبلک ٹرانسپورٹ کی جدید کاری اور ہیلتھ کیئر انفراسٹرکچر کی شفافیت سے نہیں جوڑا جائے گا، بجٹ کا خسارہ کبھی کم نہیں ہوگا۔

آج کے پاکستان کو ایک ایسے "ریگولیٹری گیلٹن" (قوانین کی چھانٹی) کی ضرورت ہے جو کاروبار شروع کرنے کی راہ میں حائل این او سیز، لائسنسز اور پرمٹس کے فرسودہ نظام کو کاٹ کر پھینک دے۔ آئی ٹی اور ڈیجیٹل اکانومی، جو ہماری برآمدات کا سب سے تیز رفتار ذریعہ بن سکتی ہے، ٹیکسوں کی عدم یکسانیت اور غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے۔ اسپیشل ٹیکنالوجی زونز اور اسپیشل اکنامک زونز کو جب تک خودمختاری اور بلا تعطل بجلی و پانی فراہم نہیں کیا جائے گا، غیر ملکی سرمایہ کاری ایک خواب ہی رہے گی۔

اصل نکتہ یہ ہے کہ پاکستان کا بجٹ 2026-27 کسی جادوئی چھڑی کا نام نہیں ہے جو ایک رات میں ملکی تقدیر بدل دے۔ حقیقت پسندانہ نقطہ نظر یہ بتاتا ہے کہ یہ بجٹ ایک کڑوی گولی ہے جو معیشت کو آئی ایم ایف کے سہارے سے آزاد کرانے کے لیے نگلنا ضروری ہے۔ مگر حکومت کو یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ معاشی استحکام کا کوئی بھی نسخہ تب تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس کا بوجھ اٹھانے والے عوام کی سکت جواب نہ دے جائے۔ اگر ٹیکس نیٹ کو ریٹیلرز، رئیل اسٹیٹ اور بڑے زمینداروں تک پھیلا کر منصفانہ نہ بنایا گیا، اور عام شہریوں کو یوٹیلیٹی بلز اور بنیادی اشیائے خورد و نوش میں ریلیف نہ دیا گیا، تو توقعات اور حقیقت کا یہ فاصلہ بڑھتا چلا جائے گا، جو کسی بھی ترقی پسند ریاست کے لیے نیک شگون نہیں ہوتا۔

پاکستان بہترین سفارتکار
فریقین جنگ بندی کیلئے تیار

محمد زکریا
(مصنف، کالم نگار ہیں اور پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں)

محض ایک سال قبل تک پاکستان کے اندرونی و بیرونی دشمن وطن عزیز کو عالمی سطح پر تنہا کرنے کیلئے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، مشرقی ہمسایہ ہر رات پاکستان کو دنیا بھر میں جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے دہشتگرد ملک ثابت کر کے سوتا تھا اور اگلی صبح پھر اسی انتشار پسند سوچ کا پرچار کرتے نہیں تھکتا تھا۔ معرکہ حق میں زبردست جوابی کارروائی کے بعد امریکہ سمیت دنیا بھر میں سبز ہلالی پرچم بلند تر ہوا۔ دنیا نے بھارتی پروپیگنڈے کی بجائے پاکستانی بیانیہ کو ترجیح دی اور پاکستان کی دفاعی طاقت سے شدید متاثر ہوئے۔ کل تک جو "مائی فرینڈ" کو اپنا وظیفہ بنائے ہوئے تھا، اُس سطحی دوستی کا بھرم بھی ٹوٹ گیا۔ پاکستانی قیادت کی جانب سے امریکی صدر ٹرمپ کی جنگ بندی کی کاوشوں کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ جنوبی ایشیا کو ایک بڑے سانحہ سے بچانے کیلئے بھی امن پسند شخصیت قرار دیا گیا۔ ٹرمپ پاکستانی قیادت سے متاثر ہوئے اور پاکستان کے خلاف بھارتی مذموم مہم کے منفی اثرات ختم ہوتے دکھائی دیے۔ پاکستان کو عالمی سطح پر امن کا پیامبر سمجھا جانے لگا اور امریکہ، یورپ سمیت تمام دنیا میں "مائی فرینڈ" کہنے والے کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ دنیا حقیقت سے آشنا ہو چکی تھی اور چارسو پاکستانیوں کی غیرت، جرات اور دوستی کے چرچے عام ہو رہے تھے۔ صدر ٹرمپ وزیر اعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل کی قیادت کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔ دنیا ہمیشہ فاتح کو سراہتی ہے، فاتح کے ساتھ تعلقات بناتی ہے، فاتح سے متاثر ہوتی ہے، اسی دستور پر دنیا نے عمل کیا اور پاکستان کو ایک قابل اعتماد دوست کی طرح ممتاز مقام دیا جانے لگا، اسی اثناں میں ایران اور امریکہ کے درمیان کشیدگی بڑھنے لگی جو کہ پاکستانی قیادت کا اصل امتحان تھا۔

جب 28 فروری کو ایران پر امریکی اور اسرائیلی حملوں کے بعد مشرقِ وسطیٰ میں ایک نیا تنازع کھڑا ہوا تو شاید کسی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ جنگ بندی کی کوششوں میں پاکستان نہ صرف مرکزی کردار ادا کرے گا بلکہ اسلام آباد کی سفارتکاری ہی جنگ بندی کا باعث بنے گی۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ٹروتھ سوشل پر اس بات کی تصدیق کی کہ پاکستان کے وزیرِ اعظم شہباز شریف اور فیلڈ مارشل عاصم منیر کی درخواست پر اپنی ڈیڈلائن میں دو ہفتوں کا اضافہ کر رہے ہیں اور ایران کے ساتھ مذاکرات پر راضی ہیں۔ ایران کی جانب سے بھی جنگ بندی کے لیے پاکستان کی کوششوں کو سراہا گیا، آبنائے ہرمز کھولنے پر آمادگی کا اظہار کیا اور یہ تصدیق کی گئی کہ وہ اسلام آباد میں امریکہ کے ساتھ مذاکرات میں حصہ لے گا۔ وزیرِ اعظم شہباز شریف نے بھی اس بات کی تصدیق کی تھی کہ اسلام آباد میں 10 اپریل کو مذاکرات ہوں گے اور پاکستان ایرانی اور امریکی وفود کی میزبانی کرے گا۔ الحمداللہ! پاکستان دونوں ممالک کو مذاکرات کی میز پر بیٹھانے میں کامیاب بھی رہا ہے اور پاکستانی قیادت مستقل جنگ بندی اور آبنائے ہرمز کھولنے کیلئے بھی مخلصانہ کاوشیں بروئے کار لا رہی ہیں۔

ہمیں بغور تجزیہ کرنے کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ماضی میں 'بین الاقوامی تنہائی' کا شکار سمجھا جانے والا ملک اچانک اپنی سفارتی کوششوں کے سبب دنیا بھر کی توجہ کا مرکز کیسے بنا اور امریکہ اور ایران اس کی ثالثی میں بات چیت پر تیار کیسے ہوئے۔ ایران نے امریکہ کے حملوں کے جواب میں خلیجی ممالک میں امریکی اڈوں کو نشانہ بنایا تھا۔ جہاں ایران پاکستان کا پڑوسی ملک ہے وہیں اسلام آباد کے خلیجی ممالک سے بھی دیرینہ اور قریبی تعلقات ہیں۔ پاکستان نے گزشتہ برس سعودی عرب کے ساتھ ایک دفاعی معاہدے پر بھی دستخط کیے تھے۔ صرف یہی نہیں پاکستان کے امریکی انتظامیہ سے بھی قریبی تعلقات ہیں۔ خود صدر ڈونلڈ ٹرمپ وزیرِ اعظم شہباز شریف کو ایک 'قابلِ احترام شخص' اور عاصم منیر کو 'میرے پسندیدہ فیلڈ مارشل' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

مشرقِ وسطیٰ ایک بار پھر عالمی سیاست کا مرکز بنا ہوا ہے جہاں ایران اور امریکہ کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی نے پوری دنیا کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی ہے۔ حالیہ مہینوں میں ایران۔ امریکہ مذاکرات کے متعدد ادوار، پس پردہ سفارتی رابطے، جنگ بندی کی کوششیں اور جوہری پروگرام سے متعلق بات چیت نے خطے میں نئی سیاسی صف بندیوں کو جنم دیا ہے۔ اس پورے عمل میں عمان اور روس دو اہم کرداروں کے طور پر سامنے آئے ہیں، جبکہ پاکستان کے کردار پر سوالات اٹھ رہے ہیں کہ آیا اسے دانستہ طور پر سفارتی منظرنامے سے پیچھے رکھا جا رہا ہے یا پاکستانی سفارتکاری خود اپنی کمزوریوں کے باعث مؤثر مقام حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ یہ سوال نہ صرف پاکستانی سیاسی و سفارتی حلقوں میں زیرِ بحث ہے بلکہ عالمی مبصرین بھی اس پر غور کر رہے ہیں کہ آخر کیوں پاکستان، جو جغرافیائی، مذہبی اور تزویراتی اعتبار سے ایک اہم ملک ہے، ایران کے ساتھ بہترین ہمسائیگی اور امریکہ کے اعتماد کے باوجود ثالثی کی کاوشیں کامیاب کیوں نہیں ہو پا رہی ہیں۔

ایران اور امریکہ کے تعلقات گزشتہ چار دہائیوں سے شدید اتار چڑھاؤ کا شکار رہے ہیں۔ 1979 کے ایرانی انقلاب کے بعد دونوں

ممالک کے درمیان بداعتمادی، پابندیوں، پراکسی جنگوں اور سفارتی تناؤ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ ایران کے جوہری پروگرام نے اس کشیدگی کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ 2015 میں ہونے والا جوہری معاہدہ، جسے JCPOA کہا جاتا ہے، وقتی طور پر کشیدگی کم کرنے میں کامیاب رہا، مگر امریکہ کے معاہدے سے نکلنے اور ایران پر دوبارہ سخت پابندیاں عائد کرنے کے بعد صورتحال پھر خراب ہوگئی۔ حالیہ برسوں میں اسرائیل–ایران کشیدگی، غزہ جنگ، خلیج میں بڑھتی عسکری سرگرمیاں اور آبنائے ہرمز کی صورتحال نے امریکہ اور ایران دونوں کو اس نتیجے پر پہنچایا کہ کسی نہ کسی سطح پر رابطے ناگزیر ہیں۔

عمان ایک مرتبہ پھر خاموش مگر مؤثر ثالث کے طور پر ابھرا۔ عمان کی سفارتکاری کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی غیر جانبداری اور خاموشی ہے۔ عمان نہ تو ایران مخالف خلیجی اتحاد کا حصہ بنتا ہے اور نہ ہی کھل کر کسی عالمی طاقت کے ایجنڈے کا حصہ دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تہران اور واشنگٹن دونوں عمان پر اعتماد کرتے ہیں۔ ماضی میں بھی عمان نے خفیہ مذاکرات کی میزبانی کی تھی جن کے نتیجے میں 2015 کا جوہری معاہدہ ممکن ہوا۔ حالیہ مذاکرات میں بھی مسقط سفارتی رابطوں کا اہم مرکز بنا رہا، جہاں عمانی قیادت نے دونوں فریقوں کے درمیان پیغامات کی ترسیل، ملاقاتوں کے انتظام اور تناؤ کم کرنے کی کوششوں میں کلیدی کردار ادا کیا۔ عمان کی یہ سفارتکاری کسی میڈیا مہم یا سیاسی نمائش کے بغیر انجام پاتی ہے، اور یہی خاموش انداز اسے دیگر ممالک کے مقابلے میں زیادہ قابلِ اعتماد بناتا ہے۔

دوسری جانب روس کا کردار عمان سے مختلف نوعیت کا ہے۔ روس محض ایک غیر جانبدار ثالث نہیں بلکہ ایران کا ایک اہم اسٹریٹیجک اتحادی بھی ہے۔ یوکرین جنگ کے بعد ماسکو اور تہران کے تعلقات میں غیر معمولی قربت آئی۔ ایران نے روس کو ڈرون اور عسکری تعاون فراہم کیا جبکہ روس نے ایران کو سفارتی اور دفاعی حمایت دی۔ ایسے میں روس کی دلچسپی صرف مذاکرات کرانے تک محدود نہیں بلکہ وہ اس پورے عمل کو اپنے وسیع تر جغرافیائی سیاسی مفادات کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ روس نہیں چاہتا کہ ایران مکمل طور پر امریکہ کے ساتھ مفاہمت کر لے کیونکہ اس سے مشرقِ وسطیٰ میں روسی اثر و رسوخ کم ہو سکتا ہے۔ اسی لیے روس مذاکرات کی حمایت تو کرتا ہے مگر اس حد تک جہاں اس کے اسٹریٹیجک مفادات محفوظ رہیں۔ بعض مغربی تجزیہ کاروں کے مطابق روس ایران کو عالمی تنہائی سے نکالنے کی کوشش بھی کرتا ہے تاکہ وہ مغربی دباؤ کے مقابلے میں ایک مضبوط اتحادی کے طور پر موجود رہے۔

پاکستان، ایران–امریکہ کشیدگی کم کرنے کے لیے سفارتی سرگرمیاں تیز کیئے ہوئے ہے۔ اسلام آباد نے خود کو ایک ایسے ملک کے طور پر پیش کیا جو تہران اور واشنگٹن دونوں کے ساتھ رابطے رکھتا ہے اور خطے میں استحکام چاہتا ہے۔ پاکستانی حکام نے مختلف مواقع پر یہ تاثر دیا کہ پاکستان نے ایران اور امریکہ کے درمیان پیغام رسانی، جنگ بندی اور پس پردہ رابطوں میں اہم کردار ادا کیا۔ بعض بین الاقوامی رپورٹس میں بھی یہ ذکر آیا کہ پاکستان نے دونوں ممالک کے درمیان سفارتی چینلز فعال رکھنے میں مدد فراہم کی۔ تاہم سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان واقعی ایک مرکزی ثالث بن سکا یا اس کا کردار محض ایک معاون رابطہ کار تک محدود رہا؟

ایسے میں پاکستان نے اس تنازع کے ابتدا سے ہی تمام فریقین کے ساتھ اپنے تعلقات میں توازن رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں اس نے ایران پر حملوں کی مذمت کی، وہیں خلیجی ممالک پر تہران کے حملوں کے خلاف بھی اسلام آباد کی طرف سے بیانات جاری کیے جاتے رہے۔ وزیرِ اعظم شہباز شریف نے امریکی اور اسرائیلی حملے میں آیت اللہ خامنہ ای کی ہلاکت کو بھی 'بین الاقوامی قوانین' کی خلاف ورزی قرار دیا تھا۔

تجزیہ کاروں اور مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کی اسی پالیسی کے سبب اسے تمام فریقین کا اعتماد حاصل رہا ہے۔ ماضی میں امریکہ اور اقوامِ متحدہ میں بطور پاکستانی سفیر خدمات سرانجام دینے والی ملیحہ لودھی کہتی ہیں کہ امریکہ اور ایران کے درمیان ثالثی ایک پیچیدہ عمل تھا لیکن پاکستان اپنی پالیسی میں 'توازن برقرار رکھنے کے چیلنج' پر پورا اترا، جس سے عارضی جنگ بندی ممکن ہو سکی۔ وہ کہتی ہیں کہ 'ایران اور امریکہ دونوں ہی تھک چکے تھے اور دونوں ہی کشیدگی میں کمی کے لیے موقعے کی تلاش میں تھے اور پاکستان نے دونوں کے درمیان ثالثی اور پیغام رسانی کے ذریعے انھیں یہ موقع فراہم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ پاکستان کو مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا گیا، مگر کچھ وجوہات ایسی ہیں جن کی بناء پر پاکستان ثالثی کے عمل میں

رکاوٹیں محسوس کر رہا ہے۔ سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ ایران پاکستان کو مکمل غیر جانبدار ملک نہیں سمجھتا۔ پاکستان کے سعودی عرب اور امریکہ کے ساتھ قریبی تعلقات ایران کے ذہن میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ پاکستانی قیادت کے 'بہتر تعلقات، توازن اور اُصول پر مبنی موقف' کی وجہ سے ہی امریکہ اور ایران نے پاکستان پر اعتماد کیا اور عارضی جنگ بندی پر راضی ہوئے۔ جہاں پاکستان نے سعودی عرب کی آئل فیلڈ پر ایران کے حملے کی مذمت کی، وہیں آبنائے ہرمز سے متعلق اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش کی گئی یکطرفہ قرارداد کی پاکستان نے حمایت نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کو تہران، واشنگٹن، ریاض اور بیجنگ میں وہ پوزیشن ملی جو کسی اور کے پاس نہیں تھی۔

بین الاقوامی اُمور کے ماہرین سمجھتے ہیں کہ پاکستان نے حالیہ وقتوں میں امریکہ کے قابلِ اعتماد پارٹنر کی حیثیت سے اپنی اہمیت منوائی ہے۔ ان کے ٹرمپ انتظامیہ کے ساتھ گہرے مراسم ہیں، ایران کے ساتھ بہتر تعلقات ہیں، اس نے امریکی انتظامیہ سے قریب سمجھے جانے والے افراد کے ساتھ کرپٹو معاہدے کیے اور ٹرمپ کے بورڈ آف پیس میں شامل ہوا۔ پاکستان نے تمام سفارتی چینلز کھولنے کے لیے ایک قابلِ اعتماد پارٹنر کی طرح کام کیا کیونکہ اس جنگ کے سبب اس کی اپنی معیشت بھی دباؤ میں تھی۔

بین الاقوامی میڈیا میں یہ اطلاعات منظر عام پر آتی رہی ہیں کہ فیلڈ مارشل عاصم منیر امریکی قیادت سے رابطے میں رہے ہیں۔ خود وائٹ ہاؤس نے کچھ دنوں قبل بی بی سی اردو کو تصدیق کی تھی کہ صدر ٹرمپ اور فیلڈ مارشل عاصم منیر کے درمیان بھی فون پر بات چیت ہوئی تھی۔

مصالحت کے اس عمل کی قیادت 'ٹرمپ کے پسندیدہ فیلڈ مارشل' عاصم منیر کر رہے تھے۔ اگرچہ پاکستان نے کشیدہ صورتحال میں فریقین کو بات چیت پر راضی کر لیا ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام آباد اس عارضی جنگ بندی کو کسی جامع معاہدے میں تبدیل کروا سکتا ہے؟ اس جنگ نے پہلے ہی بہت نقصان کر دیا ہے، ایران میں تباہی ہوئی، خطے میں امریکہ کے اڈوں کو نقصان پہنچا، عالمی معیشت متاثر ہوئی اور اب وقت ہے کہ دونوں ممالک اخلاص کے ساتھ پائیدار امن کو حاصل کرنے کی جانب بڑھیں۔ پاکستان نے اس ثالثی کے تمام عمل میں چین کو اعتماد میں لیا ہے اور مبصرین سمجھتے ہیں کہ بیجنگ اور دیگر ممالک اس مذاکرات کی کامیابی میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

دوسری طرف امریکہ بھی پاکستان کی داخلی سیاسی صورت حال، عسکری اثر ورسوخ اور چین کے ساتھ قریبی تعلقات کو مدنظر رکھتا ہے۔ ایسے میں واشنگٹن اور تہران دونوں عمان جیسے نسبتاً غیر جانبدار ملک پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ تاہم یہ کہنا بھی درست نہیں ہوگا کہ پاکستانی سفارتکاری مکمل طور پر ناکام ہوگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اب بھی خطے میں ایک اہم تزویراتی ملک ہے۔ ایران کے ساتھ اس کی سرحد، چین کے ساتھ اس کی شراکت داری، امریکہ کے ساتھ سکیورٹی تعلقات، اور مسلم دنیا میں اس کی اہمیت اسے مکمل طور پر نظر انداز ہونے نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایران اور امریکہ دونوں پاکستان سے رابطہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ پاکستان نے حالیہ بحران میں کم از کم یہ ثابت ضرور کیا کہ وہ کشیدگی کم کرنے اور علاقائی استحکام کے لیے کردار ادا کرنا چاہتا ہے۔

پاکستانی میڈیا میں بعض اوقات یہ تاثر دیا گیا کہ پاکستان ہی ایران ۔ امریکہ مذاکرات کا سب سے اہم ثالث بن کر سامنے آیا ہے، مگر عالمی رپورٹس اس تصویر کو زیادہ متوازن انداز میں پیش کرتی ہیں۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ مذاکرات کئی سطحوں پر جاری ہیں اور مختلف ممالک مختلف کردار ادا کر رہے ہیں۔ عمان خفیہ سفارتکاری کا مرکز ہے، قطر پس پردہ رابطوں میں متحرک ہے، روس اسٹریٹیجک اثر و رسوخ استعمال کر رہا ہے، جبکہ پاکستان علاقائی رابطہ کاری اور سیاسی سہولت کاری کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ تمام کردار ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کا اثر بھی الگ نوعیت کا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ فریقین کے درمیان مستقل جنگ بندی کے عمل کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے تمام تر علاقائی و عالمی قوتوں کا ایک صفحہ پر ہونا از حد ضروری ہے۔ اس جنگ کی وجہ سے پاکستان سمیت دنیا بھر میں توانائی کا شدید بحران سر اٹھا رہا ہے، عالمی معیشت زبوں حالی کا شکار ہے، بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ وہ واحد جنگ ہے جس نے تمام دنیا کے ممالک کو کسی نہ کسی صورت میں متاثر تو کیا ہی ہے مگر اس کے ساتھ انفرادی سطح پر ہر فرد نے بھی اس جنگ کے منفی اثرات محسوس کیے ہیں۔ مہنگے ڈیزل اور پٹرول نے عام آدمی سے جینے کا حق چھین رکھا ہے۔ دونوں فریقین کے درمیان جنگ بندی اس لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان سمیت متعدد ممالک اس غیر یقینی صورتحال کا مزید خمیازہ بھگتنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ مہنگائی کا جن بے قابو ہو رہا ہے، حکومتی کاوشوں میں خلوص ضرور ہے مگر اب مزید انتظار عام آدمی کیلئے کسی بھی مصیبت سے کم نہیں ہے۔ عوام کی قوت خرید کم ہو رہی ہے، سفید پوش طبقے کیلئے جینا محال ہو رہا ہے، بھرم ٹوٹ رہے ہیں اور خواب بھی۔

اس موقع پر اقوام متحدہ اور خاص کر سلامتی کونسل کے اراکین جیسے چین اور روس کو اس عمل میں شامل کرنا چاہیے تاکہ پائیدار امن کی راہ ہموار ہو۔ تاہم پاکستان کی تمام تر کوششوں کے باوجود اب بھی اس پورے عمل پر خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ایران کی جانب سے امریکی مطالبات کا جواب پاکستانی قیادت کو بھیجا گیا ہے، اب دیکھنا یہ باقی ہے کہ اس جوابی عمل میں مستقل جنگ بندی کے کتنے امکان روشن ہیں۔

پاکستانی بحری حکمت عملی اور آپریشن محافظ البحر

ناصر نقوی
(مصنف سینئر جرنلسٹ اور کالم نویس ہیں)

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہونے کے باوجود اپنی سلامتی اور خودمختاری کے حوالے سے دفاعی شعبے میں کسی سے کم نہیں۔ اس کی تینوں افواج، بری، بحری اور فضائی، اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے محدود وسائل میں بھی منفرد مقام رکھتی ہیں۔ حالانکہ پاکستان ایک پرامن ملک کی حیثیت سے کسی قسم کے جنگی عزائم نہیں رکھتا۔ وہ جانتا ہے کہ جنگ کبھی بھی، کسی بھی صورت میں، مسائل کا حل نہیں ہوتی، لیکن بدقسمتی سے اسے ایک ایسا ہمسایہ ملا جس نے نہ کبھی اسے دل سے تسلیم کیا اور نہ ہی وہ پاکستان کو امن، ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ یہی بنیادی وجہ ہے کہ ریاست نے اپنے دفاعی معاملات کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ جوں جوں مکار ہمسائے نے اسلحہ ذخیرہ کیا، توں توں پاکستان نے بھی نہ صرف اپنے دفاعی انتظامات کو منظّم کیا بلکہ تربیت اور ہنرمندی میں بھی انہیں منفرد بنا دیا۔ جس کے خوف سے اسے ''ایٹمی طاقت'' بننے کا خیال آیا تو پاکستان کی سیاسی وعسکری قیادت نے اپنے باصلاحیت اور قابلِ فخر سائنس دانوں کی مدد سے یہ منزل بھی طے کر لی۔ پاکستانی صلاحیتوں اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے مطابق وطنِ عزیز ازلی دشمن بھارت سے پہلے ایٹمی طاقت بن سکتا تھا، لیکن عدمِ جنگی عزائم کے باعث اس نے ایسا نہیں کیا۔ بھارت نے خطے میں اپنے آپ کو برتر بنانے کی خواہش اور پاکستان کو دباؤ میں لانے کے لیے دھماکہ کر کے دنیا کے چھٹے ایٹمی ملک کا درجہ حاصل کیا تو پاکستان کی عسکری اور سیاسی قیادت نے ردِعمل میں ایٹمی دھماکے کر کے خطے کی دفاعی طاقت کو متوازن کر دیا۔ الحمدللہ، آج عوامی جمہوریہ پاکستان دنیا کی ساتویں اور مسلم دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت کا مقام رکھتا ہے۔ اس کارنامے میں جہاں ہمارے سائنس دانوں کا کمالِ فن

ہے، وہاں بحری، بری اور فضائی افواج کی کارکردگی بھی ایسی ہے کہ پاک افواج کو دنیا بھر میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب جب ضرورت پڑی، اپنی دھرتی پر ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں پاکستان کی مسلح افواج نے اپنی شاندار کارکردگی سے لوہا منوایا۔ دنیا کا کوئی ''امن مشن'' پاکستان کی افواج کی شمولیت کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جاتا۔

جنگِ مئی 2025 میں ازلی دشمن نے للکارا تو فیلڈ مارشل عاصم منیر کی قیادت میں دشمن کو دن میں تارے دکھا دیے گئے۔ فضائیہ اور سائبر ٹیکنالوجی کی مہارت نے زمینی اور فضائی دفاع کا یوں مضبوط حصار بنایا کہ ازلی دشمن بحریہ کی جانب بڑھ ہی نہ سکا۔ بری اور فضائی ''معرکہ آرائی'' نے اس کے چھکے چھڑا دیے کہ وہ سمندری راستہ ہی بھول گیا، جبکہ ہماری بحریہ بھی دشمن کو مزہ چکھانے کے لیے مکمل تیار تھی۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان کی تینوں افواج صرف پیشہ ورانہ تربیت میں ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی ریاست انہیں مختلف انداز میں آزمانے اور منظم بنانے کے مواقع فراہم کرتی رہتی ہے۔ ''معرکہ حق'' کے بعد فیلڈ مارشل عاصم منیر کے چیف آف ڈیفنس فورسز بننے کے بعد یہ کام زیادہ مربوط اور مضبوط انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔

اس سلسلے میں بری فوج اگر ملک کی تعمیراتی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کر رہی ہے تو بحری حکمتِ عملی میں تیل کی ترسیل اور تجارتی سرگرمیوں میں پاک بحریہ اہم ترین کردار ادا کر رہی ہے، کیونکہ پاکستان کا جغرافیہ ملک کو ایک اہم بحری ریاست بناتا ہے۔ تقریباً ایک ہزار کلومیٹر طویل ساحلی پٹی اور کراچی پورٹ، پورٹ قاسم ہی نہیں بلکہ گوادر بندرگاہ جیسی بڑی بندرگاہیں پاکستانی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، کیونکہ ملکی 90 فیصد سے زائد تجارت سمندر کے راستے ہی ہوتی ہے۔ بلکہ توانائی کے شعبے میں یہ انحصار اور بھی زیادہ ہے۔ خام تیل اور ایل این جی کی بڑی مقدار انہی بحری راستوں سے پاکستان پہنچتی ہے۔ اس تناظر میں پاک بحریہ کا ''آپریشن حافظ البحر'' صرف عسکری اقدام نہیں بلکہ ایک معاشی و ملکی ضرورت بھی ہے۔ دراصل یہ آپریشن پاکستان کی سمندری حدود اور اہم جہاز رانی کے راستوں کو محفوظ بنانے کے لیے ترتیب دیا گیا ہے، کیونکہ موجودہ حالات میں عالمی سطح پر بحری سکیورٹی کے خطرات میں اضافہ ہوا ہے، لہٰذا سنجیدہ اقدامات ضروری تھے۔

اگر ''آپریشن محافظ البحر'' کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو اس کا حقیقی مقصد ساحلی علاقوں، بندرگاہوں اور سمندری تجارتی راستوں کی حفاظت ہے۔ لہٰذا نگرانی، گشت اور کسی بھی ہنگامی صورتحال پر فوری ردِعمل اس کی ذمہ داری ہے۔ بحری قزاقی، دہشت گردی اور علاقائی کشیدگی جیسے خطرات کے پیشِ نظر یہ آپریشن پاکستان کی دفاعی حکمتِ عملی کا لازمی جز بن چکا ہے۔ اس کی انفرادیت اور کامیابی یہ ہے کہ خطرات کو بھانپ کر وقوعے سے پہلے انہیں ماہرانہ اور ذمہ دارانہ انداز میں روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آپریشن کی بدولت ساحلی علاقوں میں نہ صرف سکیورٹی پہلے سے بہتر ہوئی ہے بلکہ مسلسل بحری نگرانی سے اداروں کی کارکردگی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

سمندری راستوں سے تیل کی ترسیل ہمیشہ ہی سے حساس رہی ہے بلکہ اس کی حکمتِ عملی بھی پیچیدہ سمجھی جاتی ہے۔ چونکہ پاکستان اپنی

توانائی کے لیے درآمد شدہ خام تیل، ریفائنڈ پٹرولیم مصنوعات اور ایل پی جی ٹینکرز پر انحصار کرتا ہے، اس لیے یہ ترسیل آبنائے ہرمز سے گزرتی ہے، جو دنیا کے سب سے اہم اور حساس بحری راستوں میں سے ایک ہے۔ یقیناً اگر اس راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو اس کے فوری اثرات معیشت پر شدید ہو سکتے ہیں۔ ایندھن کی قلت، بجلی کی پیداوار میں کمی اور صنعتی بحران اس کے خطرناک نتائج ہو سکتے ہیں، جنہیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے پاکستان کو صرف دفاعی حکمتِ عملی پر انحصار کرنے کے بجائے کثیر الجہتی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ایسی حکمتِ عملی جس میں متبادل توانائی ذرائع، ذخائر میں اضافہ اور علاقائی تعاون انتہائی اہم ہو۔

اسی طرح اگر علاقائی اور عالمی تناظر میں اس صورتحال کو دیکھا اور پرکھا جائے تو یہ راز پوشیدہ نہیں رہے گا کہ عالمی سطح پر بحری سکیورٹی اب صرف جنگی جہازوں تک محدود نہیں رہی بلکہ اس میں اقتصادی و معاشی مفادات، توانائی کی ترسیل اور جیو پولیٹیکل سطح پر بحری سکیورٹی توازن بھی شامل ہے۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری کے تحت گوادر بندرگاہ کی اہمیت بھی بڑھ گئی ہے۔ یقیناً یہ مستقبل میں توانائی اور تجارت کا ایک بڑا مرکز بن سکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ خطرات بھی بڑھیں گے۔ بحیرۂ عرب میں بڑھتی ہوئی عالمی طاقتوں کی موجودگی اور خطے میں جاری کشیدگی پاکستان کے لیے بھی ایک مشکل اور پیچیدہ سکیورٹی ماحول کا باعث بن چکی ہے۔ لہٰذا پاکستان کو مستقبل کے لیے حکمتِ عملی اور اس پر عملی اقدامات کے لیے حالات کا مکمل اور تفصیلی جائزہ لے کر بہت کچھ کرنا ہوگا۔ یعنی جتنا معاملہ سنجیدہ ہے، اسی قدر قومی مفادات کے لیے اہم پالیسی

اوراس پرعمل درآمد کا پروگرام ضروری ہے تاکہ ایسی کسی کوتاہی کا خدشہ باقی نہ رہے جس سے قومی مفادات کونقصان پہنچنے کا امکان ہو۔

اس سلسلے میں یقیناً جامع منصوبہ بندی حالات کا تقاضا ہے، جس کے لیے جدید ٹیکنالوجی، سیٹلائٹ سسٹمز اور ڈرونز کے استعمال کے ساتھ تیل کے ذخائر میں اضافہ اس لیے ضروری ہے کہ کسی بھی قسم کی ہنگامی حالت میں چند ہفتوں اور مہینوں تک سپلائی بحال رکھی جا سکے۔ لہٰذا علاقائی بحری تعاون کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے نہ صرف خلیجی ممالک کے ساتھ تعلقات کو مزید مستحکم کرنا ہوگا بلکہ گوادر بندرگاہ پر بھی خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ کیونکہ اس بات سے کوئی خواہ کتنا ہی انکار کیوں نہ کرے، مستقبل میں گوادر ایک ایسا مکمل مرکز بنے گا جو پاکستان اور پاکستانیوں کی ترقی اور خوشحالی کی ضمانت ثابت ہوگا۔ اس لیے ''گوادر'' کو کسی بھی صورت نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ بلوچستان کی محرومیاں بھی یہی ختم کرے گا۔

اگر پاکستانی بحری حکمتِ عملی اور ''آپریشن محافظ البحر'' کی بحث کو سمیٹا جائے تو مجموعی طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مضبوط حکمتِ عملی کسی ستون سے کم نہیں۔ اس سے صرف سکیورٹی فراہم نہیں ہوتی بلکہ ملکی معیشت کو بھی سہارا ملتا ہے۔ لیکن یہ سمجھنا درست نہیں کہ صرف فوجی اقدامات کافی ہیں، کیونکہ توانائی کا انحصار مکمل طور پر درآمدات پر ہے۔ پاکستان تیل برآمد کرنے والے خودکفیل ممالک میں شامل نہیں، اس لیے توانائی کی ترسیل کے تسلسل کو یقینی بنانے کے لیے ایک جامع پالیسی، حکمتِ عملی اور مستقبل کی منصوبہ بندی نہ صرف درکار ہے بلکہ بہتر مستقبل اور عالمی مسائل سے نمٹنے کے لیے ہمیشہ ضروری ہوگی۔ ایسی حکمتِ عملی جس میں دفاع، معیشت اور سفارت کاری کے شعبوں میں بھرپور مشاورت اور توازن ہو، اوران شعبہ جات کی وزارتوں کے متعلقہ ادارے بھی اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ مشاورت، تجاویز اور تعاون سے ''آپریشن محافظ البحر'' کو 100 فیصد نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

ہمیں، ذمہ داروں اور پالیسی سازوں کو سوچنا اور سمجھنا ہوگا کہ سمندر پاکستان کی صرف جغرافیائی سرحد نہیں بلکہ یہ صنعت وتجارت یعنی اقتصادی ترقی کا سنہرا راستہ ہے۔ لہٰذا اگر اسے محفوظ رکھا جائے گا تو پاکستان کی معیشت بھی محفوظ رہے گی، ورنہ معاشی بحران قومی بحران کی شکل اختیار کر جائے گا۔ ''آپریشن محافظ البحر'' پاکستانی عسکری قیادت کی جانب سے سیاسی قیادت کے لیے انتہائی بہترین سہولت اور قومی ترقی وخوشحالی کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔ اس سے ہر سطح پر بھرپور اور مثبت انداز میں فائدہ اٹھانا ہوگا، کیونکہ پیٹرولیم مصنوعات کے بغیر ترقی اور خوشحالی کا خواب تک نہیں دیکھا جا سکتا۔ توانائی کا تسلسل کسی بھی معیشت کی کامیابی کے لیے ''آکسیجن'' کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسی تسلسل کے لیے پاکستان نے ''آپریشن محافظ البحر'' کی منصوبہ بندی کی۔ موجودہ غیر معمولی بین الاقوامی حالات میں اس کے مثبت نتائج بھی اب منظرِ عام پر ہیں اور کسی سے پوشیدہ ہرگز نہیں۔

پاکستان اور افغانستان تنازعات اور کشیدگی

رباب زہرا
(مصنفہ ملکی اور بین الاقوامی امن اور احترام انسانیت کے حوالے سے مختلف اخبارات اور رسائل کے لیے لکھتی ہیں)

پاکستان اور افغانستان دنیا کے دو ایسے ممالک ہیں جو اسلامی روایات اور خاندانی بندھن ہی نہیں بلکہ تہذیب و تمدن، زبان و بیان اور مذہبِ اسلام کے مضبوط رشتوں میں جڑے ہوئے ہیں، اس کے باوجود روزِ اول سے مختلف تنازعات اور کشیدگی میں الجھے رہے ہیں۔ سرحد کے دونوں جانب بسنے والے لوگ نسلی اور ثقافتی لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں، لیکن حالات و واقعات نے ہر دور میں بہت سے معاملات کو پیچیدہ رکھا۔ کبھی بادشاہت کا دور تھا، لیکن جب بادشاہت کا خاتمہ ہوا تب بھی ذمہ داروں نے پاکستان سے مجبوری میں ہی سہی، اچھے تعلقات رکھے۔ ظاہر شاہ، شاہ داؤد اور نجیب اللہ کے ادوار اپنی جگہ، پاکستان نے روسی مداخلت کے دوران افغانستان اور افغان بھائیوں کی نہ صرف ہر ممکن مدد کی بلکہ روسی افواج کی پسپائی میں اپنی بساط سے بڑھ کر ساتھ دیا۔ یہی نہیں، طالبان اور ان کی حکومت کی بھی بھرپور پذیرائی کی۔ جہادِ افغانستان کے ردِ عمل میں لاکھوں افغان مہاجرین کو ہر قسم کی سہولیات فراہم کیں اور برسوں تاریخی میزبانی کی۔ افغان نسلیں پاکستان میں تمام تر سہولتوں کے ساتھ پروان چڑھیں، پھر بھی صدر حامد کرزئی اور اشرف غنی کے ادوار بھی پاکستان کے لیے قابلِ فخر ثابت نہ ہوئے۔ اب امریکی اور نیٹو افواج کی ایک بار پھر افغانستان سے واپسی پر قائم ہونے والی حکومت ”امارات ِاسلامی افغانستان“ نے بھی تمام یقین دہانیوں کے باوجود پاکستان کے لیے کسی قسم کی آسانی اور برادرانہ تعلقات کے فروغ کے لیے وہ کچھ ہرگز نہیں کیا جس کی توقع کی جا رہی تھی۔

اس کی وجوہات کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو قیامِ پاکستان 1947 میں بھی افغانستان کے حکمرانوں نے مصلحت پسندی کا

مظاہرہ کیا تھا، حالانکہ دوسرے ہمسایہ ملک ایران نے دنیا بھر میں سب سے پہلے پاکستان کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت تسلیم کر لیا تھا۔ تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ زبان، لباس، مذہب، تہذیب و تمدن ایک ہونے کے باوجود پاکستان اور افغانستان کے تعلقات ہمیشہ سے جغرافیہ، تاریخی حالات اور سیاسی پیچیدگیوں کے امتزاج کا شکار رہے۔ دونوں ممالک ایک طویل سرحدی سلسلے ''ڈیورنڈ لائن'' سے جڑے ہیں۔ یہ سرحد محض ایک جغرافیائی لکیر نہیں بلکہ ایک ایسا حساس مسئلہ ہے جس نے ابتدا ہی سے دونوں ممالک کے درمیان بداعتمادی کو جنم دیا، جو باوجود کوشش ختم نہ کی جا سکی۔ ''ڈیورنڈ لائن'' 1893 میں برطانوی راج کے حکمرانوں اور افغان حکمرانوں کے درمیان ہونے والے معاہدے کے مطابق قائم کی گئی، اور قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان نے اسے اپنی بین الاقوامی سرحد تصور کیا جبکہ افغانستان نے ہر دور میں اسے متنازع قرار دینے کی کوشش کی۔ لہٰذا حقیقت میں دونوں ممالک کے درمیان اختلاف کی جڑ اور بنیاد اسی ''ڈیورنڈ لائن'' کو قرار دیا جاتا ہے۔

افغانستان میں اقتدار کی آنکھ مچولی چلتی رہی۔ روسی افواج کے ردِعمل میں جہادِ افغانستان کا مرحلہ بھی آیا اور روسی ''سپر پاور'' کو شکست کی صورت میں منتشر بھی ہونا پڑا۔ پورے خطے میں کامیابی اور فتح کے شادیانے بجائے گئے، ''پاک افغان بھائی بھائی'' کے نعرے بھی بلند ہوئے۔ پاکستان نے ہمیشہ پرعزم انداز میں اس بات کا ایک سے زیادہ مرتبہ اعادہ کیا کہ ''کابل کا امن پاکستان کا امن ہے''۔ لاکھوں افغان مہاجرین کو اپنی سرزمین پر افغان بستیوں کے قیام سے بہترین سہولیات اور مراعات دی گئیں۔ افغان مہاجرین کی نسلیں پاکستان کے پرامن ماحول میں پھلیں پھولیں، روزگار اور کاروباری مواقع بھی دیے گئے، لیکن مثبت نتائج پاکستان کا مقدر نہ بن سکے۔ مختلف ادوار میں ہمارے ازلی دشمن بھارت نے مختلف انداز میں افغانیوں کو لالچ، جھانسہ، بہکاوے اور مفادات کے سنہرے خواب دکھا کر پاکستان کا امن تباہ کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ پاکستان نے ہر سطح پر احتجاج بھی کیا اور سرحد پار سے مداخلت کی نشاندہی بھی کی، لیکن کسی نے کان نہ دھرے۔

پاکستان میں دہشت گردی بڑھی تو پاک فورسز نے سیاسی حکمتِ عملی کے سہارے دہشت گردی کے خاتمے کا عزم کیا۔ پھر دہشت گردوں کو مضبوط کارروائیوں کے ذریعے سرحد پار دھکیل دیا گیا، لیکن زیادہ دیر سکون قائم نہ رہ سکا۔ حالانکہ پاکستان نے دہشت گردی کی جنگ میں بھاری جانی و مالی نقصان بھی برداشت کیا تھا۔ بات بڑھی تو پاکستان نے سرحد پر باڑ لگانے کا عمل تیز کر دیا، جس کا مقصد سرحدی مداخلت، دہشت گردی اور غیر قانونی نقل و حرکت کو روکنا تھا۔ باڑ مکمل بھی کر لی گئی، لیکن طالبان کے دوبارہ اقتدار میں آنے کے بعد اس باڑ پر اعتراضات کر کے اسے متنازع بنایا گیا بلکہ دونوں اطراف سے سرحدی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ طورخم اور چمن کی سرحدیں حساس ثابت ہوئیں۔ بظاہر معاملہ ''ڈیورنڈ لائن'' اور باڑ کا تھا، لیکن اس کے پیچھے گہرے سیاسی، سماجی اور ثقافتی عوامل بھی کارفرما تھے، کیونکہ سرحد کے دونوں جانب آباد قبائل کے خاندانی، ثقافتی اور سماجی رشتے صدیوں پرانے ہیں۔ ایسے میں بھارت نے سرحدی علاقوں میں اپنی دلچسپی بڑھا دی، جس کا مقصد پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی سرگرمیوں کو منظم کرنا تھا۔

پاکستان کے خفیہ اداروں نے ایسے شواہد بھی حاصل کیے جو ثابت کرتے تھے کہ افغان سرزمین سے پاکستان میں مداخلت بھارتی ایماء پر کی جارہی ہے۔ لہٰذا پاکستان نے واضح کیا کہ یہ صرف الزامات اور خدشات نہیں بلکہ افغانستان کی سرزمین ایک سازش کے تحت پاکستان کے خلاف دہشت گرد کارروائیوں میں استعمال کی جارہی ہے۔ پاکستان نے نشاندہی کی کہ ''تحریک طالبان پاکستان'' کے نام پر بھی دہشت گردی کو منظم کیا گیا ہے۔ افغانستان نے بھی پاکستان پر مداخلت کے الزامات لگائے۔ اس صورتحال نے دونوں ممالک کے سفارتی تعلقات کے ساتھ خطے کے امن کو بھی چیلنج کر دیا۔

حالات نے ثابت کیا کہ اگر معاملات پر سنجیدہ سوچ بچار نہ کی گئی تو پاک افغان تعلقات مزید بگڑ سکتے ہیں۔ لہٰذا مذاکرات، جرگے، باہمی ملاقاتیں اور علاقائی فورمز کے ذریعے مسائل حل کرنے کی کوششیں کی گئیں، لیکن یہ سب کچھ محض وقتی دباؤ میں ہوا، اس لیے سب کچھ بے نتیجہ ہی رہا۔ کیونکہ یہ صرف سرحدی یا سکیورٹی مسئلہ نہیں تھا بلکہ اس میں علاقائی سیاست کے ساتھ ساتھ عالمی طاقتوں کے مفادات بھی شامل تھے۔ اسی سوچ کے پیشِ نظر پاکستان نے سکیورٹی خدشات، دہشت گردی کے امکانات اور ہمسایہ ملک سے روایتی تعلقات کی بحالی کے لیے مؤثر اور جامع حکمتِ عملی اپنانے کی کوشش کی، لیکن افغانستان کے موجودہ حکمران ایسے مسائل اور مشکلات میں گھرے ہیں کہ انہیں احساس ہی

نہیں کہ خطے کا استحکام ہی ان کے مفاد میں ہے۔

پاکستان نے دراندازی کے خاتمے اور افغانستان کے استحکام کے لیے بہت سی تجاویز دیں، لیکن بدقسمتی سے اول، افغانستان کو امریکہ کا چھوڑا ہوا بھاری اسلحہ مل گیا اور دوم، بھارت نے انہیں سبز باغ دکھا کر فنڈنگ کے راستے سے بہکا دیا۔ افغان حکومت نے اپنے محسن پاکستان کی بجائے بھارت کا انتخاب کر لیا، حالانکہ پاکستان بار بار یقین دہانی کرا رہا تھا کہ امن و سلامتی کا راستہ دو برادر ممالک مل کر نکال سکتے ہیں۔ یہ مشکل

ضرور ہے مگر ناممکن ہرگز نہیں۔ اس کے لیے دراندازی کو روک کر ''ڈائیلاگ'' کی میز پر آیا جائے، دہشت گردی کی روک تھام کے لیے مشاورت سے مشترکہ حکمتِ عملی بنائی جائے، سرحدی معاملات پر مستقل مکالمے کے ذریعے حل تلاش کیا جائے، قبائلی روابط کو لڑائی اور اختلاف کی بجائے ''پل'' کے طور پر استعمال کیا جائے اور علاقائی طاقتوں کو بھی ایک مشترکہ حکمتِ عملی کے ذریعے تعمیری اور قومی دھارے میں صلاحیتیں استعمال کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اجتماعی طور پر پاکستان کی یہ تمام تجاویز انتہائی اہم تھیں۔

اس سلسلے میں پاکستان نے دوست ممالک کے تعاون سے بات آگے بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن کسی معاہدے اور بیٹھک کے نتائج بہتر نہ نکلے۔ بلکہ افغانستان نے سامانِ ''حرب و ضرب'' کا سہارا لیتے ہوئے پاکستان کے دو صوبوں، خیبر پختونخوا اور بلوچستان، میں

ریکارڈ دہشت گردی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ حالانکہ ان نامساعد حالات سے دونوں کونقصان ہوا، البتہ تعاون اور مشاورت سے دونوں ممالک ترقی اور استحکام حاصل کر سکتے تھے بلکہ خطے کے لیے نیک شگون ثابت ہو سکتے تھے، پھر بھی امارتِ اسلامی افغانستان نے ہوش کے ناخن نہ لیے، کیونکہ ان کے ایک اہم وزیر بھارتی سرزمین پر کچھ دعوے اور وعدے کر چکے تھے۔ پاکستان نے درجنوں مرتبہ افغان حکومت کو دراندازی اور دہشت گردی کے شواہد کے ساتھ مناسب کارروائی کا مطالبہ کیا، پھر بھی نہ پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات میں کمی آئی اور نہ ہی افغانستان کی سرزمین سے دراندازی کو روکا جاسکا۔

پاکستان نے نشاندہی کی کہ پاکستانی سرحدی علاقوں کے نزدیک دہشت گردوں کے تربیتی مراکز موجود ہیں جہاں سے مسلسل پاکستان کے مختلف شہروں میں دہشت گردی اور خودکش حملے کیے جا رہے ہیں۔ جب پاکستانی مطالبے نے زور پکڑا تو افغان طالبان نے پاکستان پر باقاعدہ جنگی حملہ کر دیا اور بھارتی میڈیا پر طالبان کی فتوحات کی خبروں کو منصوبہ بندی کے ساتھ کوریج دے کر تبصرے اور تجزیے پیش کیے گئے۔ ردِعمل میں پاکستان نے خفیہ اطلاعات پر پہلے ٹارگٹ آپریشن کیے، پھر عسکری اور سیاسی قیادت نے ''فتنہ الخوارج'' اور ''فتنہ الھندوستان'' کے خاتمے کا فیصلہ کرتے ہوئے ''آپریشن غزب لل حق'' شروع کر کے افغان حکومت اور طالبان کو سخت جواب دیا اور یہ سمجھایا کہ ہمارے صبر کا امتحان نہ لیا جائے۔ عوامی جمہوریہ چین، آرن برادر، کی خواہش پر پاکستان نے ''سیز فائر'' بھی کیا، لیکن خفیہ اطلاعات کی بنیاد پر اکثر تربیتی مراکز کا خاتمہ اور اہم ترین فتنہ الخوارج اور فتنہ الھندوستان کو جہنم واصل کر کے یہ پیغام دیا گیا کہ تنازعات اور کشیدگی کا حل جنگی میدان میں ممکن نہیں۔

سرحدیں بند، تجارت ختم اور اشیائے ضروریہ کا بحران کسی طرح بھی جینے نہیں دے گا۔ عوام کی بھلائی، خطے کے امن اور ترقی و خوشحالی کے لیے باہمی بات چیت سے ہی مستقل حل نکالا جا سکتا ہے، کیونکہ اس لڑائی جھگڑے کی فضا میں زیادہ نقصان افغانستان اور اس کی عوام کا ہوا۔ حکومتی استحکام بھی خطرے میں پڑ گیا اور پاکستانی افواج افغانی چوکیوں پر سبز ہلالی پرچم لہرا چکی ہیں۔ پاکستان ایک پرامن ملک، امن پسند ہمسایہ اور بہترین دوست ہے۔ افغان برادرز سے کوئی جھگڑا نہیں، اختلاف افغان حکومت، حکومتی پالیسی اور حکمرانوں سے ہے۔ اگر وہ دہشت گردی کے قائم کیمپ ختم کر دیں اور مطلوب دہشت گردوں کو پاکستان کے حوالے کر دیں تو تنازعات اور کشیدگی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ پاکستان ''کابل'' کے استحکام اور افغانستان کی ترقی و خوشحالی کے لیے اپنا تعمیری کردار ماضی کی طرح دوبارہ ادا کرنے کو تیار ہے۔ لیکن لڑائی جھگڑے اور دھمکیوں سے تنازعات اور کشیدگی کبھی ختم نہیں ہوں گے اور ہم اپنی قومی سلامتی کا مکمل دفاع کرنا خوب جانتے ہیں۔

پاکستان میں صحت کا بحران

اور ایڈز کا پھیلاؤ

امتیاز احمد تارڑ

(کالم نگار اور اینکر ہیں، اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں)

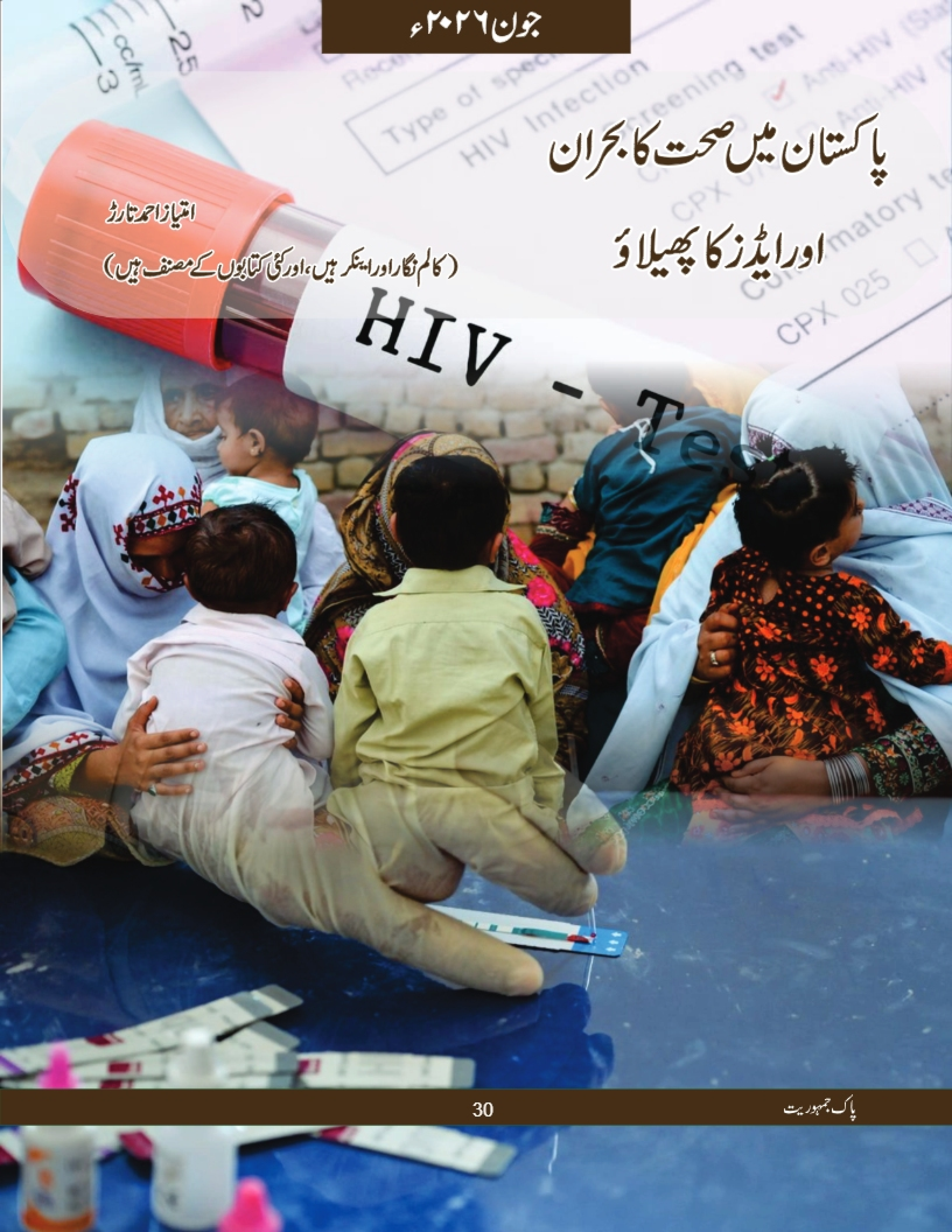

انسانی صحت کسی بھی دولت، منصب یا طاقت سے زیادہ اہم ہے۔ اگر جسم اور ذہن صحت مند نہ ہوں تو زندگی کے باقی تمام پہلو اپنی معنویت کھو دیتے ہیں۔ ایک صحت مند انسان ہی معاشرے کی ترقی، معیشت کی مضبوطی اور خاندان کی خوشحالی میں کردار ادا کر سکتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں صحت کا شعبہ مسلسل دباؤ اور بحران کا شکار ہے۔

اسی بحران کے سائے میں ایڈز (AIDS/ HIV) جیسی خطرناک بیماری بھی آہستہ آہستہ پھیل رہی ہے۔ ایڈز کوئی اچانک پیدا ہونے والی بیماری نہیں بلکہ انسانی جسم میں موجود ایک وائرس (HIV) کے باعث پیدا ہونے والی حالت ہے، جو مدافعتی نظام کو کمزور کر دیتی ہے۔ جب جسم کا دفاعی نظام کمزور ہو جائے تو انسان عام بیماریوں کا بھی آسان شکار بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایڈز کو دنیا بھر میں ایک سنجیدہ طبی اور سماجی مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔

پاکستان میں ایڈز کی صورتحال:

پاکستان میں ایڈز کی صورتحال محض چند اسپتالوں یا رپورٹ شدہ کیسز تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ ایک وسیع، پیچیدہ اور مسلسل بڑھتا ہوا صحت عامہ کا مسئلہ بن چکی ہے۔ ملک میں ایچ آئی وی کے پھیلاؤ کی اصل تصویر وہ نہیں جو سرکاری اعداد و شمار میں نظر آتی ہے، بلکہ اصل صورتحال اس سے کہیں زیادہ سنگین ہو سکتی ہے، کیونکہ بڑی تعداد میں کیسز یا تو رپورٹ ہی نہیں ہوتے یا پھر بروقت تشخیص کے بغیر ہی خاموشی سے آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ اس صورتحال کی پہلی بڑی وجہ آگاہی کی شدید کمی ہے۔ پاکستان کے ایک بڑے حصے میں عوام اب بھی ایچ آئی وی اور ایڈز

کے بنیادی فرق سے ناواقف ہیں۔ بہت سے لوگ اسے ایک ایسی بیماری سمجھتے ہیں جو صرف مخصوص گروہوں تک محدود ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ وائرس کسی بھی شخص کو متاثر کرسکتا ہے اگر احتیاطی تدابیر نظرانداز کی جائیں۔ علامات کے بارے میں لاعلمی ایک اور بڑا مسئلہ ہے۔

ابتدائی مراحل میں یہ بیماری واضح علامات ظاہر نہیں کرتی، جس کی وجہ سے متاثرہ شخص برسوں تک بغیر علم کے دوسروں تک وائرس منتقل کرتا رہتا ہے۔ دوسرا اہم پہلو سماجی خوف اور بدنامی ہے، جو اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا دیتا ہے۔ پاکستان جیسے معاشرے میں ایچ آئی وی کو اب بھی ایک "شرمناک" بیماری سمجھا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں متاثرہ افراد کھل کر ٹیسٹ کروانے یا علاج حاصل کرنے سے گھبراتے ہیں۔ یہ سماجی دباؤ مریض کو خاموشی کی طرف دھکیل دیتا ہے، یہی خاموشی بیماری کے پھیلاؤ کو مزید تیز کرتی ہے۔ بہت سے لوگ اس خوف سے کہ کہیں ان کی شناخت ظاہر نہ ہو جائے، ہسپتال جانے یا ٹیسٹنگ سینٹرز سے بھی دور رہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک بڑا مسئلہ صحت کے نظام میں تشخیص کی محدود سہولیات ہیں، خاص طور پر دیہی اور کم ترقی یافتہ علاقوں میں۔ اگرچہ بڑے شہروں میں کچھ ٹیسٹنگ مراکز موجود ہیں، لیکن چھوٹے شہروں اور دیہات میں یہ سہولیات یا تو ناکافی ہیں یا بالکل موجود نہیں۔ اس وجہ سے بہت سے مریض کبھی تشخیص ہی نہیں ہو پاتے اور بیماری خاموشی سے آگے بڑھتی رہتی ہے۔ مزید یہ کہ ملک میں غیر معیاری طبی طریقہ کار بھی اس مسئلے کو بڑھانے میں کردار ادا کر رہا ہے۔ بعض علاقوں میں غیر تربیت یافتہ عملہ، غیر محفوظ انجکشن کا استعمال، اور خون کی مکمل جانچ کے بغیر منتقلی جیسے عوامل وائرس کے پھیلاؤ کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہ وہ خاموش خطرات ہیں جو اکثر نظرانداز ہو جاتے ہیں لیکن ان کا اثر مجموعی صورتحال پر بہت گہرا ہوتا ہے۔ اعداد و شمار کا مسئلہ بھی اپنی جگہ اہم ہے۔

سرکاری طور پر جو کیسز رپورٹ ہوتے ہیں وہ صرف ایک جزوی تصویر پیش کرتے ہیں، جبکہ اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بہت سے لوگ نہ ٹیسٹ کرواتے ہیں اور نہ ہی رجسٹر ہوتے ہیں، جس سے ایک "چھپی ہوئی وبا" جیسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں ایڈز کی صورتحال یہ واضح کرتی ہے کہ مسئلہ صرف بیماری کا نہیں بلکہ آگاہی، سماجی رویوں، صحت کے نظام اور بروقت تشخیص کی کمی کا مجموعہ ہے۔ جب تک یہ تمام پہلو ایک ساتھ بہتر نہیں کیے جاتے، اس بیماری پر مکمل قابو پانا مشکل رہے گا۔

ایڈز کیسے پھیلتا ہے؟

ایڈز کا وائرس ایک انسان سے دوسرے انسان میں مخصوص طریقوں سے منتقل ہوتا ہے۔ یہ وائرس عام میل جول، ہاتھ ملانے، ساتھ بیٹھنے، کھانے پینے یا ہوا کے ذریعے نہیں پھیلتا۔ اس کے بنیادی طریقے درج ذیل ہیں:

غیر محفوظ خون کی منتقلی:

اگر کسی متاثرہ شخص کا خون بغیر جانچ کے دوسرے شخص کو دیا جائے تو وائرس منتقل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محفوظ بلڈ بینک کا نظام انتہائی ضروری ہے۔

غیر محفوظ طبی آلات کا استعمال:

اگر انجیکشن سرنج، آپریشن کے آلات یا دیگر طبی اوزار جراثیم سے پاک نہ ہوں اور ایک سے زیادہ افراد پر استعمال کیے جائیں تو وائرس پھیلنے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

منشیات کا غیر محفوظ انجیکشن استعمال:

نشہ آور ادویات کے عادی افراد اگر ایک ہی سرنج کا اشتراک کریں تو وائرس تیزی سے ایک شخص سے دوسرے میں منتقل ہو سکتا ہے۔

ماں سے بچے میں منتقلی:

حاملہ خاتون اگر HIV سے متاثر ہو تو یہ وائرس دورانِ حمل، زچگی یا دودھ پلانے کے ذریعے بچے میں منتقل ہو سکتا ہے۔

غیر محفوظ جنسی تعلقات:

یہ دنیا بھر میں وائرس کے پھیلاؤ کا ایک بڑا ذریعہ ہے، خاص طور پر جب حفاظتی تدابیر اختیار نہ کی جائیں۔

ایڈز کی وجوہات: پاکستان میں ایڈز کے پھیلاؤ کی وجوہات صرف طبی نہیں بلکہ سماجی اور انتظامی بھی ہیں۔ ان میں درج ذیل عوامل شامل ہیں، صحت کے نظام میں کمزور نگرانی، غیر معیاری بلڈ بینکس دیہی علاقوں میں طبی سہولیات کی کمی غیر تربیت یافتہ طبی عملہ،

آگاہی کی کمی اور غلط معلومات، منشیات کے استعمال میں اضافہ، سماجی بدنامی اور خوف، یہ تمام عوامل مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں، جہاں بیماری خاموشی سے پھیلتی رہتی ہے۔

معاشرتی مسئلہ اور خاموشی کا خطرہ:

ایڈز صرف ایک طبی مسئلہ نہیں بلکہ ایک سماجی چیلنج بھی ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس بیماری کو لے کر شدید غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ متاثرہ افراد کو اکثر نفرت یا تنہائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ رویہ نہ صرف ان افراد کی زندگی مشکل بناتا ہے بلکہ بیماری کے پھیلاؤ کو بھی بڑھاتا ہے، کیونکہ لوگ شرمندگی کے باعث ٹیسٹ یا علاج سے دور رہتے ہیں۔ اصل مسئلہ بیماری نہیں بلکہ اس کے گرد موجود خاموشی اور خوف ہے۔

حکومت پاکستان کے اقدامات:

حکومت پاکستان نے ایچ آئی وی/ایڈز کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے مختلف سطحوں پر اقدامات کیے ہیں۔ اگرچہ ان میں بہتری کی گنجائش موجود ہے، لیکن کچھ اہم اقدامات درج ذیل ہیں:

نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام (NACP):

یہ پروگرام ملک بھر میں ایچ آئی وی کی نگرانی، علاج اور آگاہی کے لیے کام کر رہا ہے۔

اسکریننگ مراکز کا قیام: بڑے شہروں میں ایچ آئی وی ٹیسٹنگ اور مشاورت کے مراکز قائم کیے گئے ہیں، جہاں مفت یا کم قیمت ٹیسٹ فراہم کیے جاتے ہیں۔

بلڈ بینک ریگولیشنز:

خون کی منتقلی سے پہلے ٹیسٹنگ کو لازمی قرار دیا گیا ہے تاکہ وائرس کے پھیلاؤ کو روکا جا سکے۔

آگاہی مہمات:

پاکستان میں ایچ آئی وی/ایڈز کے خلاف سب سے اہم اور مؤثر حکمت عملیوں میں آگاہی مہمات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس بیماری کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے صرف علاج کافی نہیں ہوتا، بلکہ عوام کے رویے، سوچ اور معلومات میں تبدیلی لانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اسی مقصد کے لیے ریڈیو، ٹی وی اور سوشل میڈیا کو بطور بڑے پلیٹ فارم استعمال کیا جا رہا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک درست معلومات پہنچائی جا سکیں۔

ریڈیو کے ذریعے خاص طور پر دیہی اور دور دراز علاقوں میں رہنے والے افراد تک رسائی ممکن ہوتی ہے، جہاں انٹرنیٹ یا ٹی وی کی سہولت محدود ہوتی ہے۔ ریڈیو پروگرامز، اشتہارات اور صحت سے متعلق خصوصی نشریات میں ایچ آئی وی کے پھیلاؤ کے طریقے، اس کی علامات اور احتیاطی تدابیر کو آسان زبان میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ بغیر کسی پیچیدگی کے اس بیماری کو سمجھ سکیں اور غلط فہمیوں

سے بچ سکیں۔ ٹیلی ویژن کو بھی ایک طاقتور ذریعہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ بڑے پیمانے پر عوام تک پہنچتا ہے۔ مختلف چینلز پر چلنے والے آگاہی اشتہارات، ٹاک شوز اور ڈاکیومنٹریز کے ذریعے ایچ آئی وی کے بارے میں شعور اجاگر کیا جاتا ہے۔ ان پروگراموں میں ڈاکٹرز، ماہرین صحت اور بعض اوقات متاثرہ افراد کو بھی شامل کیا جاتا ہے تاکہ حقیقت پر مبنی معلومات سامنے آسکیں اور معاشرتی خوف کم کیا جاسکے۔

سوشل میڈیا نے اس مہم کو ایک نیا اور زیادہ وسیع دائرہ دیا ہے۔ فیس بک، یوٹیوب، انسٹاگرام اور دیگر پلیٹ فارمز پر مختصر ویڈیوز، انفارمیشن پوسٹس اور لائیو سیشنز کے ذریعے نوجوان نسل کو ہدف بنایا جاتا ہے۔ چونکہ نوجوان طبقہ ان پلیٹ فارمز پر زیادہ فعال ہے، اس لیے انہیں محفوظ رویوں، ٹیسٹنگ کی اہمیت اور غلط معلومات سے بچنے کے بارے میں براہ راست آگاہ کیا جاتا ہے۔

ان مہمات کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ایچ آئی وی کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے۔ بہت سے لوگ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بیماری عام میل جول یا ساتھ بیٹھنے سے پھیل سکتی ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اس غلط سوچ کو ختم کرنا ہی اصل کامیابی ہے، کیونکہ یہی خوف لوگوں کو ٹیسٹ اور علاج سے دور رکھتا ہے۔

مزید یہ کہ ان آگاہی مہمات کے ذریعے لوگوں کو محفوظ طبی طریقہ کار، خون کی جانچ کی اہمیت اور انجیکشن کے محفوظ استعمال کے بارے میں بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ بعض مہمات میں متاثرہ افراد کی کہانیاں بھی شامل کی جاتی ہیں تاکہ انسانی پہلو سامنے آئے اور معاشرہ اس مسئلے کو

سنجیدگی سے لے۔ مختصر یہ کہ ریڈیو، ٹی وی اور سوشل میڈیا پر چلنے والی آگاہی مہمات پاکستان میں ایچ آئی وی کے خلاف جنگ کا ایک بنیادی ستون ہیں، جو نہ صرف معلومات فراہم کرتی ہیں بلکہ معاشرتی رویوں کو بھی آہستہ آہستہ تبدیل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

این جی اوز کے ساتھ تعاون:

پاکستان میں ایچ آئی وی/ایڈز کے خلاف جنگ میں غیر سرکاری تنظیمیں (NGOs) ایک اہم کردار ادا کر رہی ہیں، خاص طور پر وہاں جہاں سرکاری نظام کی رسائی یا سہولت محدود ہے۔ یہ تنظیمیں حکومت کے ساتھ مل کر نہ صرف علاج کی سہولت فراہم کرتی ہیں بلکہ متاثرہ افراد کی رہنمائی، نفسیاتی مدد اور سماجی تحفظ کے لیے بھی کام کرتی ہیں۔ این جی اوز کا ایک بڑا کام مشاورت (counseling) ہے۔ ایچ آئی وی سے متاثر افراد اکثر ذہنی دباؤ، خوف اور سماجی تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں تربیت یافتہ کونسلرز انہیں بیماری کو سمجھنے، علاج کی پابندی کرنے اور معمول کی زندگی جاری رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ مشاورت صرف مریض تک محدود نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات ان کے خاندانوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے تاکہ گھریلو سطح پر سپورٹ سسٹم مضبوط ہو سکے۔

حساس گروہوں پر توجہ:

منشیات کے عادی افراد اور زیادہ خطرے والے طبقات کے لیے خصوصی پروگرام شروع کیے گئے ہیں تاکہ بیماری کے پھیلاؤ کو کم کیا جا سکے۔ درپیش چیلنجز ان اقدامات کے باوجود کئی بڑے مسائل موجود ہیں: دیہی علاقوں تک سہولیات کی محدود رسائی ٹیسٹنگ سے جڑا سماجی خوف، علاج کے مراکز کی کمی، مستقل فنڈنگ کا مسئلہ، عوامی سطح پر آگاہی کی کم سطح، یہ چیلنجز اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ صرف پالیسی کافی نہیں، بلکہ اس پر مکمل عملدرآمد بھی ضروری ہے۔

ایڈز کے خلاف جنگ صرف حکومت یا ڈاکٹروں کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ سب سے پہلے آگاہی کو فروغ دینا ہوگا۔ لوگوں کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ یہ بیماری چھونے، ساتھ بیٹھنے یا عام میل جول سے نہیں پھیلتی۔ اس غلط فہمی کو ختم کیے بغیر بیماری کے پھیلاؤ کو روکنا ممکن نہیں۔

دوسرا قدم محفوظ طبی نظام ہے۔ ہر ہسپتال، کلینک اور بلڈ بینک میں سخت معیار پر عملدرآمد لازمی ہونا چاہیے۔ تیسرا قدم منشیات کے استعمال کے خلاف مؤثر حکمت عملی ہے کیونکہ یہ ایک بڑا پھیلاؤ کا ذریعہ ہے۔ پاکستان میں صحت کا بحران صرف ایڈز تک محدود نہیں، مگر ایچ آئی وی اس بحران کی ایک واضح علامت ہے۔ اگر ہم نے احتیاط، آگاہی اور مضبوط صحتی نظام کو ترجیح نہ دی تو چھوٹے مسائل بڑے بحران میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ ایڈز کا مقابلہ صرف دوا سے نہیں بلکہ شعور، ذمہ داری اور اجتماعی رویے سے ہوتا ہے۔ جب تک معاشرہ اس بیماری کو نفرت کے بجائے حقیقت کے طور پر قبول نہیں کرے گا، تب تک اس پر مکمل قابو پانا مشکل رہے گا۔

سولر ٹیکس، مہنگی بجلی اور تیل کی درآمدی بحران

ڈاکٹر محمد گلزار
(ایسوسی ایٹ پروفیسر و ڈائریکٹر سکول آف کامرس اینڈ اکاؤنٹنسی۔ یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی (یو ایم ٹی))

پاکستان اس وقت اپنی تاریخ کے بدترین معاشی اور توانائی کے بحران سے گزر رہا ہے، جہاں ایک عام شہری کی زندگی ہر گزرتے دن کے ساتھ مشکل تر ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف آسمان سے باتیں کرتی مہنگائی اور ہوشربا بجلی کے بل ہیں، تو دوسری جانب تیل کا سنگین درآمدی بحران اور اب سولر پینلز پر ٹیکس لگنے کی افواہیں یا حکومتی پالیسیوں میں ردوبدل کے خدشات عوام کی آخری امیدیں بھی چھین رہے ہیں۔ ان تمام مسائل کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ایک ایسا شیطانی چکر بن چکے ہیں جس سے نکلنا فی الحال انتہائی کٹھن دکھائی دیتا ہے۔ بین الاقوامی خبر رساں اداروں، جن میں الجزیرہ، رائٹرز، اور بلومبرگ Bloomberg شامل ہیں نے بھی اپنی حالیہ رپورٹس میں پاکستان کے اس گھمبیر معاشی بحران پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے اور اعداد و شمار کی روشنی میں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ جب تک بنیادی ساختیاتی اصلاحات نہیں کی جاتیں، یہ بحران مزید شدت اختیار کر سکتا ہے۔

اس پورے بحران کی جڑ پاکستان کا توانائی کے لیے درآمدی ایندھن پر بے تحاشا انحصار ہے۔ ہم اپنی ملکی ضروریات کا ایک بہت بڑا حصہ درآمدی فرنس آئل، کوئلہ اور ایل این جی سے پورا کرتے ہیں۔ فنانشل ٹائمز اور رائٹرز کی حالیہ معاشی تجزیاتی رپورٹس کے مطابق، پاکستان کا سالانہ درآمدی بل اربوں ڈالر پر محیط ہے۔ اس کی سنگینی کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ حال ہی میں مشرقِ وسطیٰ میں پیدا ہونے والی کشیدگی اور عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کے باعث پاکستان کا ہفتہ وار تیل کا درآمدی بل ۳۰۰ ملین ڈالر سے بڑھ کر تقریباً ۸۰۰ ملین ڈالر تک پہنچ گیا ہے، جو کہ ۱۶۷ فیصد کا ہوشربا اضافہ ہے۔ عالمی منڈی میں تیل کی قیمتوں میں معمولی سا اضافہ بھی پاکستان کے تجارتی

خسارے کو خطرناک حد تک بڑھا دیتا ہے۔ جب تیل خریدنے کے لیے مارکیٹ سے ڈالر خریدا جاتا ہے، تو روپے کی قدر گرتی ہے۔ روپے کی بے قدری براہ راست درآمدی تیل کو مزید مہنگا کر دیتی ہے، اور یوں ملکی معیشت کی شہ رگ پر دباؤ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بجلی کی ترسیلی کمپنیوں کی نااہلی، بجلی کی چوری، لائن نقصانات (لائن لاسز) اور بلوں کی عدم وصولی کی وجہ سے توانائی کے شعبے کا گردشی قرضہ خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے۔ مختلف ادوار کے محتاط جائزوں کے مطابق، توانائی کے شعبے کا یہ مجموعی گردشی قرضہ ۵.۷ ٹریلین روپے کے خوفناک ہندسے کو چھو رہا ہے۔ مہنگی بجلی کی وجہ سے پاکستان کی برآمدی صنعتیں، خاص طور پر پارچہ بافی (ٹیکسٹائل) اور مینوفیکچرنگ کا شعبہ، عالمی مارکیٹ میں بنگلہ دیش اور ویتنام جیسے ممالک کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ عالمی معاشی رپورٹس کے مطابق، فیصل آباد اور کراچی میں سیکڑوں چھوٹی اور درمیانی صنعتیں بند ہو چکی ہیں کیونکہ ان کے لیے بجلی کے بھاری بل ادا کر کے پیداواری عمل جاری رکھنا ناممکن ہو گیا ہے، جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر بے روزگاری نے جنم لیا ہے۔

تیل کے اس درآمدی بحران کا براہ راست اور سب سے تکلیف دہ اثر بجلی کی پیداواری لاگت پر پڑتا ہے۔ لیکن پاکستان میں بجلی کے مہنگا ہونے کی واحد وجہ صرف عالمی مارکیٹ میں تیل کا مہنگا ہونا نہیں ہے، بلکہ ہمارا اپنا خامیوں سے بھرا نظام، بدعنوانی، اور ماضی کی غلط پالیسیاں بھی اس کی بڑی وجہ ہیں۔ ریاست نے ماضی میں نجی بجلی گھروں، جنہیں آئی پی پیز (IPPs) کہا جاتا ہے، کے ساتھ جو معاہدے کیے، ان کی رو سے حکومت انہیں ڈالر میں ادائیگی کرنے کی پابند ہے۔ ان معاہدوں کی سب سے متنازعہ شق 'کیپیسٹی چارجز' (Capacity Payments) کی ہے۔ اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ اگر حکومت ان بجلی گھروں سے ان کی پوری صلاحیت کے مطابق بجلی نہیں بھی خریدتی، تب بھی ریاست انہیں اربوں روپے کی ادائیگیاں کرنے کی پابند ہے۔ سرکاری تخمینوں اور مالیاتی دستاویزات کے مطابق، صرف مالی سال ۲۰۲۴-۲۵ کے لیے حکومتِ پاکستان کو آئی پی پیز کو کیپیسٹی پیمنٹس کی مد میں ۲۰۹۱ ارب روپے (تقریباً ۲.۱ ٹریلین روپے) ادا کرنے ہیں۔ یہ خطیر رقم ملکی بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ نگل رہی ہے اور اس کا بوجھ براہ راست صارفین کے ماہانہ بلوں میں شامل کیا جا رہا ہے۔

بجلی اور تیل کی قیمتیں ملکی معیشت کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جب یہ دونوں بنیادی چیزیں مہنگی ہوتی ہیں، تو مہنگائی کا ایک ایسا سیلاب آتا ہے جو غریب اور متوسط طبقے کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار گواہ ہیں کہ مئی ۲۰۲۳ میں پاکستان میں مہنگائی کی شرح ۳۷.۹ فیصد کی تاریخی اور بلند ترین سطح تک پہنچ گئی تھی۔ اگرچہ حالیہ عرصے میں افراطِ زر (Inflation) کی شرح کم ہو کر سات سے دس فیصد کے درمیان آئی ہے، لیکن اشیائے ضروریہ کی بنیادی قیمت اتنی بڑھ چکی ہے کہ عام آدمی کی حقیقی قوتِ خرید تقریباً آدھی رہ گئی ہے۔ پیٹرول اور ڈیزل مہنگا ہونے سے زرعی پیداوار کی لاگت بڑھ جاتی ہے، اور کسان کے کھیت سے لے کر شہر کی منڈی تک سبزیاں، گندم اور پھل پہنچانے کا کرایہ دگنا ہو چکا ہے۔ الجزیرہ نے اپنی گراؤنڈ رپورٹس میں پاکستان کے مختلف شہروں سے تعلق رکھنے والے ایسے کئی خاندانوں کی کہانیاں دنیا کے سامنے

رکھی ہیں جنہیں ہر مہینے یہ تلخ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ آیا وہ گھر کا کرایہ اور ہوشربا بجلی کا بل ادا کریں، یا اپنے بچوں کے لیے دو وقت کی روٹی اور بیماروں کے لیے ادویات کا بندوبست کریں۔

جب بجلی کے بل قوت برداشت سے باہر ہو گئے اور ریاست کی جانب سے کسی قسم کا ریلیف نہ ملا تو عوام نے اپنے طور پر متبادل راستے تلاش کرنا شروع کیے۔ شہریوں نے اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی لگا کر، زیورات بیچ کر اور بینکوں سے مہنگے قرضے لے کر اپنے گھروں، دکانوں اور کارخانوں کی چھتوں پر سولر پینلز لگا لیے۔ شمسی توانائی پاکستان کے لیے ایک بہت بڑی نعمت ثابت ہو سکتی تھی؛ یہ توانائی کا ایک صاف اور قدرتی ذریعہ ہے، اس کے لیے قیمتی زرمبادلہ خرچ کر کے بیرون ملک سے تیل یا ایل این جی درآمد نہیں کرنا پڑتا، اور یہ عالمی ماحولیاتی تبدیلیوں (Climate Change) کے اثرات کو کم کرنے میں بھی مددگار ہے۔ تاہم، حکومتی اداروں اور فیصلہ سازوں کا ردعمل اس حوالے سے انتہائی مایوس کن اور استحصالی رہا۔ جب ہزاروں صارفین نے سولر سسٹم لگا کر نیشنل گرڈ سے مہنگی بجلی لینا کم کر دی اور اپنی اضافی بجلی نیٹ میٹرنگ (Net Metering) کے ذریعے حکومت کو بیچنا شروع کی، تو پاور ڈویژن کی آمدنی میں نمایاں کمی واقع ہونا شروع ہوئی۔ گرڈ سے بجلی کی طلب کم ہونے کے باوجود حکومت کو ان نجی بجلی گھروں کو وہ ۲ کھرب روپے سے زائد کی کیپیسٹی پیمنٹس بہر حال کرنی ہیں، جس کی وجہ سے توانائی کا شعبہ شدید بوکھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

اس صورتحال میں سب سے زیادہ تشویشناک موڑ اس وقت آیا جب 'سولر ٹیکس' کے نفاذ کی خبریں گردش کرنے لگیں۔ میڈیا میں یہ رپورٹس سامنے آئیں کہ حکومت سولر پینل استعمال کرنے والوں پر ایک فکسڈ ٹیکس یا اضافی چارجز لگانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے، یا پھر نیٹ میٹرنگ کے موجودہ منافع بخش نظام کو ختم کر کے اسے 'گراس میٹرنگ' میں تبدیل کرنا چاہتی ہے۔ اگرچہ حکومت کے بعض نمائندوں نے عوام کے شدید ردعمل کے بعد ان خبروں کی تردید کی لیکن رائٹرز اور مقامی ذرائع ابلاغ کی رپورٹس کے مطابق، انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) کی کڑی شرائط اور پاور سیکٹر کے مسلسل بڑھتے ہوئے خسارے کے دباؤ کے تحت، پالیسی ساز کوئی نہ کوئی ایسا طریقہ تلاش کر رہے ہیں جس سے سولر استعمال کرنے والے خودکفیل صارفین کو بھی ٹیکس کے دائرے میں لا کر ریونیو اکٹھا کیا جا سکے۔ یہ صورتحال عوام کے لیے محض مایوس کن ہی نہیں بلکہ شدید غم و غصے کا باعث ہے۔ ماہرینِ معیشت بجا طور پر یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ جو شہری ریاست کے ناکام اور بدترین طرزِ حکمرانی کا شکار بجلی کے نظام کا متبادل خود اپنے خون پسینے کی کمائی سے ڈھونڈ رہے ہیں، ریاست انہیں انعام اور مراعات دینے کے بجائے ٹیکسوں کے ذریعے سزا کیوں دینا چاہتی ہے؟ یہ حکومت کا ایک کھلا اور شرمناک پالیسی تضاد ہے۔ ایک طرف حکومتی نمائندے عالمی فورمز پر جا کر گرین انرجی کے فروغ کے نام پر فنڈز مانگتے ہیں، اور دوسری طرف اپنے ہی ملک میں سبز توانائی اپنانے والے شہریوں کی حوصلہ شکنی کی جا رہی ہے۔

فنانشل ٹائمز اور دیگر بین الاقوامی اداروں کے تجزیہ کار اس بات پر متفق ہیں کہ اس گھمبیر معاشی گرداب سے نکلنے کے لیے حکومت کو سطحی ہتھکنڈوں کے بجائے دوررس اور سخت ساختیاتی اصلاحات (Structural Reforms) کی ضرورت ہے۔ معیشت کو بچانے کا راستہ عوام

کی جیبوں پر مزید ٹیکس لگانے یا سولر جیسی سستی اور ماحول دوست توانائی پر پابندیاں لگانے سے ہرگز نہیں گزرتا۔ حکومت کو سب سے پہلے آئی پی پیز کے ساتھ کیے گئے ان ظالمانہ اور غیر منصفانہ معاہدوں کا فارنزک آڈٹ کروانا چاہیے اور ان پر دوبارہ مذاکرات کرنے چاہئیں تاکہ کیپیسٹی پیمنٹس کے اس ناقابل برداشت بوجھ کو کم کیا جا سکے جس نے پوری قوم کا معاشی قتل کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، بجلی کی ترسیلی کمپنیوں کی نجکاری یا ان کی کارکردگی کو بین الاقوامی معیار کے مطابق بہتر بنانا انتہائی ناگزیر ہے۔ اشرافیہ، اعلیٰ بیوروکریسی، اور سیاستدانوں کو ملنے والی مفت بجلی اور پیٹرول کی غیر منصفانہ مراعات فوری طور پر منسوخ ہونی چاہئیں تاکہ عوام کو یہ واضح پیغام ملے کہ مشکل کے اس وقت میں قربانی صرف غریب کی ذمہ داری نہیں ہے۔

مزید برآں، شمسی اور ہوائی توانائی کی سرپرستی کو قومی ہنگامی پالیسی کا حصہ بنایا جانا چاہیے۔ شمسی توانائی پر ٹیکس لگانے کا سوچنے کے بجائے، حکومت کو چاہیے کہ مقامی سطح پر سولر پینلز کی تیاری کے کارخانے لگانے والوں کو ٹیکس میں چھوٹ دے تاکہ ہفتہ وار کروڑوں ڈالر کے درآمدی بل میں کمی آئے اور ملکی زرمبادلہ بچایا جا سکے۔ تیل کا درآمدی بحران، مہنگی بجلی، اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والی کمر توڑ مہنگائی ایسے مسائل ہیں جنہیں راتوں رات حل نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر سیاسی ارادہ مضبوط ہو اور درست سمت میں ایماندارانہ کوششیں کی جائیں، تو ان پر قابو پانا ہرگز ناممکن نہیں۔ اگر آج بھی اشرافیہ کے مفادات کو ترجیح دی گئی اور متبادل توانائی پیدا کرنے والے عوام کا راستہ روکا گیا، تو پاکستان کا معاشی دیوالیہ پن ایک ایسی سماجی تباہی کو جنم دے گا جس کی قیمت آنے والی کئی نسلوں کو چکانا پڑے گی۔

پاکستان کے تعلیمی نظام کا سرسری جائزہ

کنول افتخار

(مصنفہ ایک ممتاز صحافی اور کالم نگار ہیں اور اخبار میں کالم لکھتی ہیں)

تعلیم انسان کی شخصیت سازی، شعور کی بیداری اور معاشرتی ترقی کی بنیاد ہے۔ ایک تعلیم یافتہ فرد نہ صرف اپنی زندگی بہتر انداز میں گزار سکتا ہے بلکہ وہ اپنے خاندان، معاشرے اور ملک کی ترقی میں بھی مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ تعلیم ہی وہ ذریعہ ہے جو جہالت، غربت اور پسماندگی کے اندھیروں کو ختم کر کے ترقی کی روشنی پیدا کرتی ہے۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ اقوام نے تعلیم کو اپنی اولین ترجیح بنایا، اسی لیے وہ آج معاشی، سائنسی اور سماجی میدان میں آگے ہیں۔

پاکستان میں بھی تعلیم کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، مگر عملی صورتحال اس کے برعکس دکھائی دیتی ہے۔ آئینِ پاکستان کے مطابق ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر شہری کو مفت اور معیاری تعلیم فراہم کرے۔ آئین کے آرٹیکل A-25 کے تحت 5 سے 16 سال تک کے بچوں کے لیے تعلیم لازمی اور مفت قرار دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی ذمہ داری صرف اسکول قائم کرنا نہیں بلکہ یہ بھی یقینی بنانا ہے کہ ہر بچہ اسکول میں داخل ہو، وہاں تک رسائی رکھے اور معیاری تعلیم حاصل کرے۔ بدقسمتی سے اس آئینی شق پر مکمل عمل درآمد اب بھی ایک بڑا چیلنج ہے۔ پاکستان میں اسکول سے باہر بچوں (Out-of-School Children) کی تعداد ایک سنجیدہ مسئلہ ہے، لیکن مختلف اداروں کے اندازوں میں تھوڑا فرق پایا جاتا ہے۔

تازہ ترین بین الاقوامی اور قومی اندازوں (یونیسف اور دیگر تعلیمی رپورٹس) کے مطابق: پاکستان میں تقریباً 2 کروڑ 20 لاکھ سے 2 کروڑ 60 لاکھ بچے اسکول نہیں جاتے۔ یہ تعداد ملک کے کل اسکول جانے کی عمر کے بچوں کا ایک بڑا حصہ بنتی ہے۔

یہ مسئلہ کیوں اتنا بڑا ہے؟ دیہی علاقوں میں اسکولوں کی کمی، غربت اور بچوں کا مزدوری پر مجبور ہونا،لڑکیوں کی تعلیم میں رکاوٹیں (ثقافتی اور سہولتی مسائل) اساتذہ کی کمی اور ناقص تعلیمی معیار نقل وحمل اور اسکول تک رسائی کے مسائل ایک تلخ حقیقت ہیں، پاکستان میں مسئلہ صرف اسکول نہ جانے والے بچوں کا نہیں، بلکہ وہ بچے بھی شامل ہیں، جو اسکول میں داخل تو ہیں مگر باقاعدہ سیکھ نہیں رہے۔ اس کو ''learning poverty'' کہا جاتا ہے۔ یعنی اصل بحران دو سطحوں پر ہے: کروڑوں بچے اسکول سے باہر اور اندر موجود بڑی تعداد معیاری تعلیم سے محروم۔

پنجاب:

پنجاب میں آبادی زیادہ ہونے کی وجہ سے سب سے بڑی تعداد یہیں موجود ہے۔ اندازاً 80 سے 90 لاکھ بچے اسکول سے باہر ہیں۔ یہاں مسئلہ صرف اسکولوں کی کمی نہیں بلکہ دیہی علاقوں میں غربت، بچوں کی مزدوری اور لڑکیوں کی تعلیم سے متعلق سماجی رکاوٹیں بھی ہیں۔

سندھ:

سندھ میں تقریباً 50 سے 60 لاکھ بچے اسکول نہیں جاتے۔ خاص طور پر دیہی سندھ اور کچی آبادیوں میں صورتحال زیادہ خراب ہے۔ اسکول موجود ہونے کے باوجود اساتذہ کی کمی، غیر حاضر اساتذہ اور بنیادی سہولتوں کی کمی بڑا مسئلہ ہے۔

خیبر پختونخوا:

خیبر پختونخوا میں اندازاً 30 سے 35 لاکھ بچے اسکول سے باہر ہیں۔ پہاڑی علاقوں، قبائلی اضلاع اور نقل مکانی سے متاثرہ علاقوں میں تعلیم تک رسائی ایک بڑا چیلنج ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم میں بھی سماجی رکاوٹیں موجود ہیں۔

بلوچستان:

بلوچستان میں صورتحال سب سے زیادہ تشویشناک ہے۔ یہاں تقریباً 25 سے 30 لاکھ بچے اسکول نہیں جاتے۔ وسیع رقبہ، آبادی کا بکھراؤ، اسکولوں کی کمی اور بنیادی سہولیات کی شدید قلت اس کی بڑی وجوہات ہیں۔

آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان ان علاقوں میں تعداد نسبتاً کم ہے، اندازاً 2 سے 5 لاکھ بچے اسکول سے باہر ہیں، لیکن یہاں بھی دور دراز علاقوں میں رسائی ایک مسئلہ ہے۔

تعلیم کے لیے مختص بجٹ ہمیشہ بحث کا موضوع رہا ہے۔ پاکستان میں تعلیم کے لیے مجموعی قومی بجٹ کا حصہ اکثر بین الاقوامی معیار سے کم رہا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک اپنی جی ڈی پی کا 4 سے 6 فیصد تعلیم پر خرچ کرتے ہیں، جبکہ پاکستان میں یہ شرح اکثر 2 سے 3 فیصد کے درمیان رہتی ہے۔ اس کم بجٹ کا براہ راست اثر اسکولوں کی حالت، اساتذہ کی تنخواہوں، تعلیمی سہولیات اور تحقیق کے معیار پر پڑتا ہے۔ جب وسائل محدود ہوں تو معیار متاثر ہونا ایک فطری نتیجہ بن جاتا ہے۔

81ویں آئینی ترمیم کے بعد تعلیم کا شعبہ وفاق سے صوبوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس فیصلے کا مقصد یہ تھا کہ صوبے اپنے علاقوں کی ضروریات کے مطابق بہتر تعلیمی پالیسی بنا سکیں۔ تاہم عملی طور پر اس تبدیلی کے کئی چیلنجز سامنے آئے۔ ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ صوبوں میں تعلیمی وسائل اور انتظامی صلاحیت یکساں نہیں۔ کچھ صوبے نسبتاً بہتر کارکردگی دکھا رہے ہیں، جبکہ دیگر وسائل کی کمی اور انتظامی کمزوریوں کا شکار ہیں۔ اس کے نتیجے میں پورے ملک میں تعلیمی معیار میں مزید فرق پیدا ہو گیا ہے۔ مزید یہ کہ وفاقی سطح پر ایک مشترکہ تعلیمی وژن کی کمی بھی محسوس کی جاتی ہے۔ جب تعلیم صوبائی سطح پر تقسیم ہو جائے اور مرکزی نگرانی کمزور ہو تو پالیسیوں میں ہم آہنگی برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ ملک میں تعلیمی معیار اور نصاب میں یکسانیت مزید کم ہو گئی۔

نصابِ تعلیم کا غیر یکساں ہونا پاکستان کے تعلیمی نظام کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ مختلف تعلیمی نظام — سرکاری اسکول، نجی اسکول، اور دینی مدارس — اپنے اپنے نصاب پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ تاریخی، سماجی اور انتظامی اختلافات ہیں۔ سرکاری نظام اکثر محدود وسائل اور پرانے نصاب کا شکار رہتا ہے، جبکہ نجی اسکول مہنگے اور بین الاقوامی معیار کے قریب نصاب اپناتے ہیں۔ مدارس کا نصاب بھی الگ سمت میں ہے، جو دینی تعلیم پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس عدم یکسانیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں ایک ہی عمر کے بچے مختلف تعلیمی تجربات سے گزرتے ہیں، جس سے سماجی طبقاتی فرق مزید بڑھ جاتا ہے۔

ماہرین کے مطابق یکساں نصاب کی کوششیں کی گئی ہیں، مگر اس پر مکمل عملدرآمد ابھی تک ایک مشکل مرحلہ ہے۔ پاکستان کے تعلیمی

نظام کے تلخ حقائق کئی ہیں۔ سب سے پہلا مسئلہ معیار اور رسائی کا فرق ہے۔ دیہی علاقوں میں لاکھوں بچے اسکول سے باہر ہیں، جبکہ شہری علاقوں میں بھی معیار کا مسئلہ موجود ہے۔ دوسرا بڑا مسئلہ اساتذہ کی کمی اور تربیت ہے۔ بہت سے اسکولوں میں اساتذہ کی تعداد ناکافی ہے، اور جو موجود ہیں ان کی جدید تدریسی مہارتیں محدود ہیں۔ تیسرا مسئلہ رٹا سسٹم ہے، جہاں طلبہ کو سمجھنے کے بجائے یاد کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ کار تخلیقی سوچ کو محدود کر دیتا ہے اور طلبہ کو عملی زندگی کے چیلنجز کے لیے تیار نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ امتحانی نظام بھی ایک بڑا مسئلہ ہے، جہاں اصل مقصد علم کا جائزہ لینے کے بجائے نمبر حاصل کرنا بن جاتا ہے۔ اس سے تعلیمی معیار متاثر ہوتا ہے اور طلبہ کی حقیقی صلاحیتیں سامنے نہیں آتیں۔ اب اگر ہم اسکولوں کی تزئین و آرائش کی بات کریں تو یہ ایک مثبت قدم ضرور ہے، مگر اصل سوال یہ ہے کہ کیا صرف عمارتوں کی خوبصورتی سے تعلیمی معیار بہتر ہو سکتا ہے؟ حالیہ برسوں میں کئی اسکولوں کی عمارتیں بہتر کی گئی ہیں، رنگ و روغن کیا گیا ہے، اور بعض جگہوں پر نئی سہولیات بھی شامل کی گئی ہیں لیکن اندرونی مسائل جیسے اساتذہ کی کمی، غیر معیاری تدریس، اور بنیادی سہولیات کی کمی اب بھی موجود ہیں۔ کئی اسکول ایسے ہیں جہاں عمارت تو بہتر نظر آتی ہے مگر پینے کا صاف پانی، بیت الخلا اور لیبارٹری جیسی بنیادی سہولیات ناکافی ہیں۔ بعض جگہوں پر تزئین و آرائش صرف دکھاوے تک محدود رہتی ہے، جبکہ اصل تعلیمی مسائل جوں کے توں رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کے نظام میں بہتری صرف عمارتوں کی مرمت سے نہیں آئے گی۔ اس کے لیے جامع اصلاحات کی ضرورت ہے جن میں نصاب کی جدید کاری، اساتذہ کی تربیت، بجٹ میں اضافہ، اور انتظامی شفافیت شامل ہیں۔ اگر پاکستان اپنے تعلیمی نظام کو واقعی بہتر بنانا چاہتا ہے تو اسے ظاہری اقدامات سے آگے بڑھ کر بنیادی ڈھانچے کو مضبوط کرنا ہوگا۔ تعلیم کو اگر ترجیح نہ دی گئی تو ترقی کا خواب ادھورا رہے گا، کیونکہ قومیں عمارتوں سے نہیں بلکہ علم اور شعور سے بنتی ہیں۔

ہماری مطبوعات

نمبر شمار	مطبوعات	زبان	قیمت پاکستانی روپے	قیمت امریکی ڈالر
1	قائداعظم محمد علی جناح خطابات اور بیانات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	150/-	$-05
2	قائداعظم محمد علی جناح خطابات اور بیانات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	150/-	$-05
3	قائداعظم محمد علی جناح خطابات اور بیانات بطور گورنر جنرل 1947ء تا 1948ء (پیپر بیک)	اردو	350/-	$-17
4	قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (مجلد)	انگریزی	350/-	$-17
5	قائداعظم محمد علی جناح (تصویری البم) 1876ء تا 1948ء (پیپر بیک)	انگریزی	350/-	$-17
6	قائداعظم کے سنہری اقوال	انگریزی	100/-	$-04
7	اقوال قائد (پیپر بیک)	انگریزی	50/-	$-03
8	قائداعظم کے بانی محمد علی جناح	انگریزی	400/-	$-15
9	جناح عہد ساز کا دور (ہارڈ بیک)	انگریزی	250/-	$-10
10	مادرملت سرابیانات	اردو	250/-	$-10
11	مادرملت تصویری البم	اردو	250/-	$-10
12	پاکستان ورثہ کی کہانی	انگریزی	200/-	$-04
13	پاکستان کرونالوجی 1947ء تا 2006ء (چوتھا ایڈیشن)	انگریزی	450/-	$-17
14	پاکستان کرونالوجی 1947ء تا 2006ء (پیپر بیک)(چوتھا ایڈیشن)	انگریزی	400/-	$-15
15	پاکستان منظرنامے	انگریزی	250/-	
16	پاکستان: بنیادی حقائق	انگریزی	50/-	$-02
17	آئیے پاکستان: ایک شاندار منظر	انگریزی	2000/-	$-120
18	پاکستان: مقامات اور تعمیرات (عمارتیں، تاریخی مقامات، ...)	انگریزی	1000/-	$-20
19	پاکستان آئینی دستور کی تاریخ (پیپر بیک ایڈیشن)	انگریزی، عربی، فرانسیسی، چینی	500/-	$-20
20	اٹلس پاکستان	انگریزی	2500/-	$-125
21	چھوٹوں کے لیے کتابچے	انگریزی	60/-	
22	ہاکی بائیبل	انگریزی	200/-	$-12
23	ٹرک آرٹ	انگریزی	200/-	$-08
24	گندھارا آرٹ ان پاکستان (از ڈاکٹر ...)	انگریزی	100/-	$-04
25	سلسلہ آرٹ اینڈ آرکیٹیکچر آف پاکستان (از ڈاکٹر ...)	انگریزی	100/-	$-04
26	اسلامی معاشرتی اقدار	اردو	15/-	$-01
27	وحدت افکار (علامہ اقبال کی شاعری سے انتخاب)	اردو	100/-	$-04
28	رحمت کا مرشد (عبدالستار ایدھی)	انگریزی	615/-	$-50
29	ماہ نو غالب (خصوصی ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
30	ماہ نو اقبال (خصوصی ایڈیشن)	اردو	350/-	$-17
31	ماہ نو قائداعظم (خصوصی ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
32	ماہ نو فیض (خصوصی ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
33	ماہ نو احمد فراز (خصوصی ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
34	ماہ نو احمد ندیم قاسمی (خصوصی ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
35	ماہ نو جالب نمبر (خصوصی ایڈیشن)	اردو	500/-	$-60
36	ماہ نو جوش (خصوصی ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
37	ماہ نو انتخاب نظم (خصوصی ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
38	ماہ نو انتخاب 2018 (خصوصی ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
39	ماہ نو سرسید احمد خان (خصوصی ایڈیشن)	اردو	400/-	$-15
40	ماہ نو منیر نیازی (خصوصی ایڈیشن)	اردو	400/-	$-60
41	ماہ نو (ماہنامہ)(گذشتہ شمارے)	اردو	100/- فی شمارہ	
42	ماہ نو (ماہنامہ)(آن لائن)	اردو		
43	پاک جمہوریت (ماہنامہ)(خصوصی ایڈیشن)	اردو	10/-	
44	پاک جمہوریت (ماہنامہ)(گذشتہ شمارے)	اردو	100/- فی شمارہ	
45	پاک جمہوریت (ماہنامہ)(آن لائن)	اردو		
46	پاکستان کاریڈور	انگریزی	200/-	$-120

رابطہ برائے خریداری

منیجر: ڈائریکٹوریٹ جنرل آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز، بی۔ ایف بلڈنگ زیرو پوائنٹ، اسلام آباد، پاکستان۔ فون: 051-9252182 فیکس: 051-9252176

ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز، اسلام آباد
ریجنل آفس: 291 اے، ایم اے جوہر ٹاؤن لاہور۔